دھنیا

دھنیا بے شمار غذائی اجزا اور فوائد کا حامل یہ روزمرہ استعمال کا پودا گرمیوں مین قدرتی معالج کی خصوصیات رکھتا ہے۔ دھنیا کے کئی طبی فوائد ہیں، لیکن اس کے بیج گرمی سے ہونے والے بخار کو کم کرکے ٹھنڈک کا احساس بڑھاتے ہیں۔ دھنیے کا جوس وٹامنز کا خزانہ ہے، لہٰذا گرمیوں میں اس کے بیج یا پتوں کو ایک گلاس پانی یں پیس کر پیا جائے تو مفرح تاثیر پیدا کرتا ہے۔ گرمیوں میں دھنیے کا مشروب باقاعدہ پیا جائے تو یہ خون میں کولسٹرول کم کرتا ھے، پیشاب لاتا اور گردوں کو متحرک رکھتا ہے۔ دھنئے کا مشروب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ لپ بھر خشک بیج، پانی میں ابال کر چھان لیں اور ٹھنڈا ہونے پر اس کو استعمال کرسکتے ہیں۔

اسپغول

اسپغول مسکن، سرد مزاج اور معمولی سا مسہل ہے۔ یہ پیشاب آور جلدی بافتوں پر خوش گوار اثرات مرتب کرتا ہے۔ گرمیوں میں صبح کے ناشتے کے وقت یا شام کے وقت اسپغول، گوند کتیرا ٹھنڈے دودھ میں ملا کر پیا جائے تو طبیعت خوش گورا ہوتی اور بدن کی گرمی کی کثافتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ گرم طبیعت والوں کو روزانہ رات کو ٹھنڈے شربت میں اسپغول کا چھلکا ملا کر پینا چاہئے۔ اس سے ان کی حدت کم ہوتی ہے۔ بالخصوص ہائی بلڈ پریشر اور ہائی کولسٹرول والوں کو گرمیوں میں اسپغول کو بطور غذا استعمال کرنا چاہئے۔

آم

آم پھلوں کا بادشاہ گرمی میں انسانی طبیعت کو بحال رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کچا آم لو لگنے سے پیدا ہونے والے مسائل ختم کرتا ہے۔ آدھ پکے آم کو راکھ میں پکا کر اس کے گودے کو پانی اور چینی میں ڈال کر مشروب بنالیا جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً استعمال کیا جائے تو لو کے بد اثرات سے بچاتا ہے۔ کچا آم نمک لگا کر کھایا جائے تو پیاس کی شدت کم ہوتی ہے۔ اس کے استعمال سے زیادہ پسینہ بہنے سے جنم لینے والی نقاہت ختم ہوجاتی ہے۔

شیریں پکے آم کھانے کے بعد دودھ اور پانی کی کچی لسی پی لینی چاہئے۔ اس سے آم کی گرم تاثیر ٹھنڈی تاثیر میں بدل جاتی ہے۔

لیمو

لیموں اس کے طبی فوائد بے شمار ہیں۔ اس میں وٹامن سی کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ اس کا صدیوں سے گھریلو اور طبی استعمال ہورہا ہے۔ گرمیوں میں لیموں کی شکنجبین پینے سے معدے کی تلخی، پسینے کی کثرت اور نقاہت جیسے مسائل پیدا نہیں ہوتے۔ لیموں کی شکنجبین سب سے سستا گرمی توڑ مشروب ہے۔ لیموں میں پائے جانے والے وٹامن سی سے بدن میں قوت مدافعت بڑھتی اور جسمانی اعضا کی حفاظت ہوتی ہے۔

کدو

کدو پکا ہوا پیشاب آور، سرد مزاج اور دافع صفرا خصوصیات رکھتا ہے۔ گرمی میں معدہ اور خون میں تیزابیت بڑھنے کی شکایت ہو تو کدو کو کدوکش کرکے نچوڑ کر ایک گلاس میں جوس نکالیں پھر اس میں تیزابیت ختم ہوجاتی ہے۔ کدو کے جوس میں چٹکی بھر نمک ڈال کر پینے سے گرمی سے پیدا ہونے والے اضافی پسینے کی وجہ سے خارج ہونے والے نمکیات کا متبادل میسر آجاتا ہے۔ اس سے شدت پیاس کم ہوتی اور تھکن سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ گرمی سے پاؤں جلتے ہوں یا نیند نہ آئے تو رات کو روزانہ پاؤں دھو کر کدو کی مالش کریں۔ اس سے پرسکون نیند آئے گی۔ بدن کی حدت کو جذب کرلے گا۔

دودھ، دہی

گرمیوں میں دودھ اور دہی کی لسی پینے سے بھی گرمی سے تحفظ ملتا ہے۔ صبح ناشتے کے وقت اور دوپہر کو اس کی لسی پی جائے تو اس سے مفرح اثرات ہوتے ہیں۔ دہی یا دودھ میں پانی کی مقدار زیادہ بڑھا کر اسے پتلا کرلیجئے۔ پتلی لسی تیار ہے۔ پتلی لسی پینے سے گردوں اور مثانے کی کارکردگی بہتر ہوجاتی ہے اور پسینہ زیادہ نہیں بہتا۔

❖❖

کچھ اہم و مفید مطبوعات

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کاروان زندگی حصہ اول (نیا ایڈیشن) 100/-
کاروان زندگی حصہ دوم (نیا ایڈیشن) 90/-
کاروان زندگی حصہ سوم 80/-
کاروان زندگی حصہ چہارم 90/-
کاروان زندگی حصہ پنجم 80/-
کاروان زندگی حصہ ششم (نیا ایڈیشن) 90/-
کاروان زندگی حصہ ہفتم 80/-
مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی (نیا ایڈیشن) 40/-
حج کے چند مشاہدات 6/-
خواتین اور دین کی خدمت 25/-
کاروان ایمان وعزیمت (نیا ایڈیشن) 35/-
دعائیں 10/-
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (نیا ایڈیشن) 90/-
سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ (نیا ایڈیشن) 90/-
نبی رحمتؐ (نیا ایڈیشن) 200/-
سیرت سید احمد شہیدؒ (دو جلدیں) 200/-
تاریخ دعوت وعزیمت (پانچ جلدیں) 355/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر 70/-
اپنے گھر سے بیت اللہ تک 25/-

از: محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ

زاد سفر دو جلدیں (نیا ایڈیشن) 150/-
باب کرم (نیا ایڈیشن) 12/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ اول 15/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ دوم 14/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ سوم 15/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ چہارم 12/-
ہمارے حضورؐ (اردو) 15/- ہمارے حضورؐ (ہندی) 20/-
موج تسنیم (اردو) زیر طبع
مناجات ہاتف 10/-
دیار حبیبؐ 5/-

از مخدومہ خیر النساء بہترؒ

حسن معاشرت (نیا ایڈیشن) 15/-
کلید باب رحمت 6/-
ذائقہ (نیا ایڈیشن) 15/-
ذکر خیر 〃 15/-

از: حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ

لبیک اللّٰھم لبیک 30/-
سوانح حضرت مولانا خلیل سہارنپوریؒ 50/-
سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ 150/-
زبان کی نیکیاں 15/-
گلدستہ حمد وسلام 6/-
کلام ثانیؒ زیر طبع

از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

دو مہینے امریکا میں 90/-
جزیرۃ العرب 70/-
حج ومقامات حج 35/-
امت مسلمہ 70/-
سماج کی تعلیم وتربیت 45/-

از: حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

معارف الحدیث (مکمل آٹھ جلدیں) 870/-
اسلام کیا ہے؟ (اردو) 30/-
اسلام کیا ہے؟ (ہندی) 35/-
دین وشریعت 70/-
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت 70/-
قادیانی مسلمان نہیں 25/-
آپ حج کیسے کریں؟ (نیا ایڈیشن) 40/-
آپ حج کیسے کریں؟ (ہندی) (نیا ایڈیشن) 45/-
درس قرآن 200/-

دیگر مصنفین کرام کی تصانیف

تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ 45/-
مکتوبات مفکر اسلامؒ (اول) 80/-
مکتوبات مفکر اسلامؒ (دوم) 120/-
(مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب)
تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ 35/-
سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ 30/-
(مولانا محمد الحسنیؒ)
بشریت انبیاء (نیا ایڈیشن) 40/-
ذکر رسولؐ 〃 55/-
مولانا محمد علی جوہر 〃 175/-
(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)
کتاب النحو (حافظ عبدالرحمٰن امرتسریؒ) 18/-
کتاب الصرف 〃 20/-
بریلوی فتنہ کا نیا روپ (مولانا عارف سنبھلی) 40/-
تاریخ میلاد (حکیم الشکور) 30/-
مقالات سیرت (ڈاکٹر قدوائی) 30/-
سیرت صدیقؓ (حبیب الرحمٰن شیروانی) 25/-

مکتبہ اسلام ۲/۵۴ ۱۷۲، محمد علی لین گوئن روڈ، لکھنؤ ۱۸۔
فون نمبر دفتر: 2270406
فون نمبر رہائش: 2229174

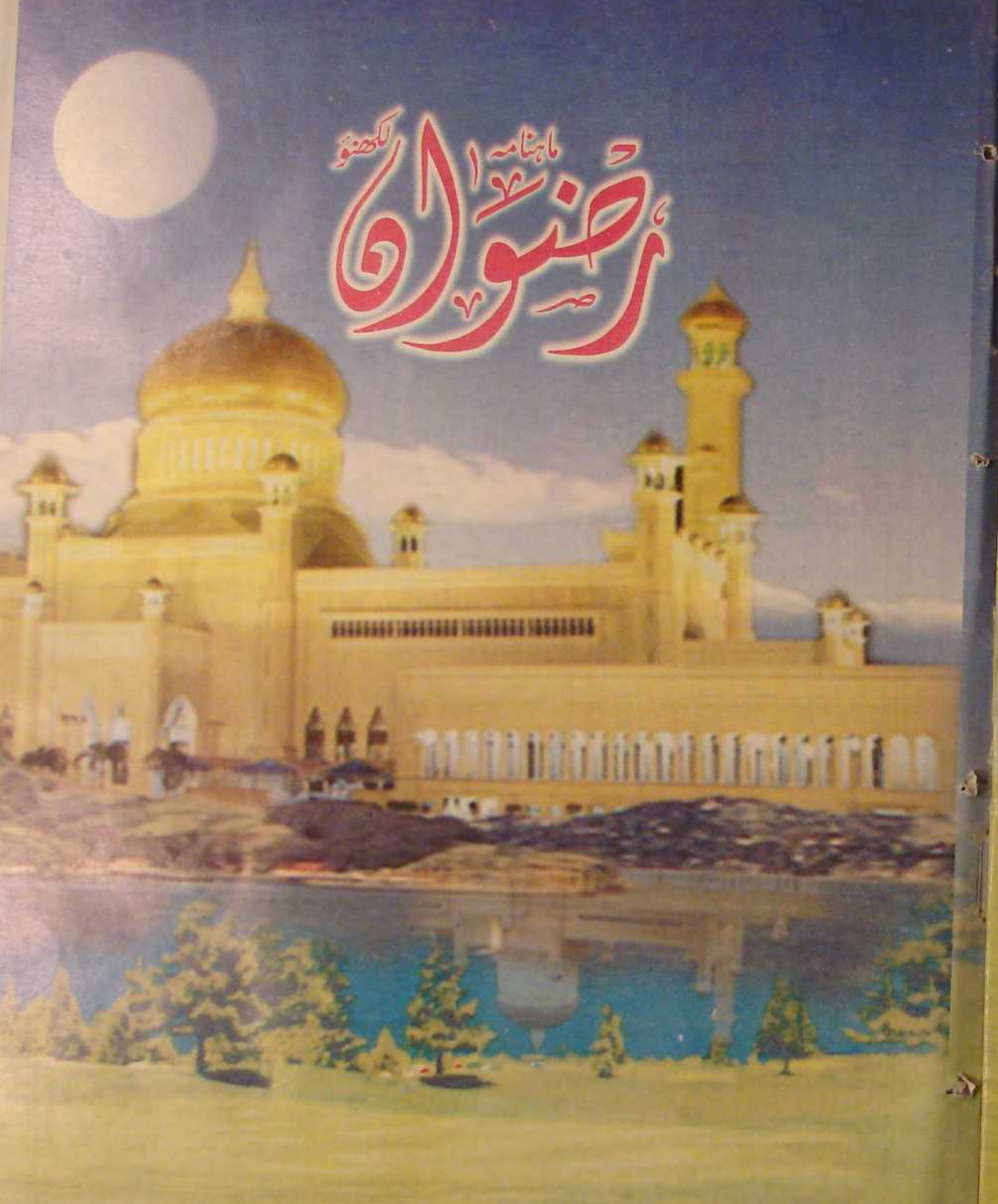

Rs. 10/-

LW/NP-184/2009-2011
R. N. 2416/57
Monthly
RIZWAN
Ph: 0522-2270406
172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226018

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مقبول و معروف کتابیں

سوانح حیات .... کاروانِ زندگی

ایک معلم، مصنف، مؤرخ، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات

جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات و تجربات، احساسات و تاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات و حوادث اور تحریکات و شخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ و سبق آموز آپ بیتی اور ایک مؤرخانہ و حقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودہویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ و سرگذشت کا ایک اہم باب محفوظ ہوگیا ہے۔

● ایک تاریخی دستاویز ● ادبی مرقع ● دعوت فکر و عمل

فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ

قیمت حصہ اول	(اردو ایڈیشن)	100/-
قیمت حصہ دوم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ سوم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ چہارم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ پنجم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ ششم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ ہفتم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت مکمل سیٹ	(کاروان زندگی)	610/-

کاروان ایمان و عزیمت

قافلہ مجاہدین یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم و فضل و عزیمت کا تذکرہ جس سے مسلمانوں کی تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک روشن باب سامنے نظر آتا ہے۔

خوبصورت کتابت و طباعت

قیمت 35/-

حج کے چند مشاہدات

اس کتاب میں مولاناؒ نے حج کے بارے میں جس طرح اپنے تاثرات و مشاہدات کا اظہار کیا ہے وہ اپنے انداز کا مؤثر اظہار ہے۔

قیمت 6/-

خواتین اور دین کی خدمت

خواتین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے دینی و سماجی فرائض کیا ہیں، وہ کس طرح دین کی خدمت کرسکتی ہیں، آخر میں مولاناؒ کی والدہ ماجدہ کے وہ تربیتی خطوط ہیں جو انھوں نے مولاناؒ کے نام ان کی تعلیم کے دوران لکھے تھے۔

قیمت 25/-

ذکرِ خیر

حضرت مولانا کی والدہ ماجدہؒ کے حالات زندگی، خود حضرت مولاناؒ کے قلم سے۔ قیمت 15/-

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن و جامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثرات اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔ قیمت مجلد 90/-

بیادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ **رضوان** لکھنؤ

جلد ۵۴	جولائی ۲۰۱۰ء	شمارہ ۷

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

● میمونہ حسنی ● عائشہ حسنی

● جعفر مسعود حسنی ● محمود حسن حسنی

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان : ۱۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۲۵/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۱۰/روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۵۴/۲/۱۷، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۱۸

Phone : 91 - 0522 - 2620406

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔ فون : 9336932231

فہرست مضامین

● اپنی بہنوں سے .... مدیر ۳
● حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم ۴
● غم اور پریشانی کا علاج .... مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ ۶
● تعلیم اور ہماری ذمہ داریاں .... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۷
● مسلم خواتین کے اخلاق .... محمد اعظم ۱۰
● ظلمتوں ہی سے نمودار سحر ہوتی ہے .... راسیہ نعیم ہاشمی ۱۱
● آدمیت، احترامِ آدم است .... صابر علی سیوانی ۱۲
● خیر خواہی .... مولانا کمال الدین ۱۶
● حصول علم میں قناعت کا ایک مثالی نمونہ .... محمد قیصر حسین ندوی ۲۳
● سیدنا فاروق اعظمؓ .... پروفیسر محمد حمزہ نعیم ۲۶
● اس کٹھن رستے پر چلنا بھی ضروری ہے مگر .... عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی ۲۸
● سوال وجواب .... مفتی راشد حسین ندوی ۳۰
● ضیاع وقت خودکشی ہے ۳۱
● اللہ سب سے بہتر منصوبہ ساز ہے .... بابو طاہر ۳۲
● پھل، سبزیاں اور ہماری صحت .... انیس فاطمہ ۳۶
● گرمی توڑ غذائیں .... حکیم محمد ادریس لدھیانوی ۳۸-۴۰

اپنی بہنوں سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت عین ایمان ہے جب تک ہم اپنی جان، مال، ماں باپ اپنی اولاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کرنے کا جذبہ نہ رکھیں تو ہمارا ایمان کامل ہو نہیں سکتا، اور ہم سچے مسلمان نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا تقاضا کیا ہے اس پر بھی ہم کو ذرا غور کرنا چاہئے۔

اور اپنے کو اور اپنے اعمال اور کردار کو جانچنا چاہئے۔ آدمی جس سے محبت کرتا ہے تو اس کی ہر صفت اور اس کی ہر بات اور اس کا ہر فرمان پیارا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبت کرنے والا ہر معاملہ میں اس کا ہوتا ہے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والا ہوتا ہے اور اس کے ہر حکم پر عمل کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہے۔ تب اس کا محبت کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا کیا حال ہے۔ اور ہماری زندگی کس راستہ پر گزر رہی ہے۔ عبادات میں معاملات میں۔ دین کی خدمت کرنے میں، اسلام کی نشر واشاعت میں، حقوق کی ادائیگی میں مال کے خرچ کرنے میں، اقربا اور عام مسلمانوں کے ساتھ سلوک میں۔ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اور رحمۃ اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی ان تمام باتوں میں ہم کو کیا رہنمائی دیتی ہے۔

ہر مسلمان مرد وعورت کے علم میں یہ بات اچھی طرح ہے اس وقت تک ہمارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر پوری طرح نہ چلیں اور آپ نے جو نمونہ چھوڑا ہے اس پر مکمل طور پر عمل نہ کریں۔ قرآن مجید میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یہ نہیں چل سکتا ہے کہ کچھ باتوں پر عمل کریں اور کچھ باتوں پر عمل نہ کریں۔ زبان سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند بانگ دعوے کریں اور جب عمل کا وقت آئے تو دور دور نظر نہ آئیں۔

شرک وبدعت کے میلے لگائیں۔ نماز کے وقت مسجد کی طرف نہ جائیں۔ روزہ میں بھوک پیاس برداشت کرنا مشکل سمجھیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی برداشت نہ کریں۔ شادیوں میں دونوں ہاتھوں سے دولت لٹائیں۔ اور اس کو عزت کا ذریعہ سمجھیں۔ اس معاملہ میں ہر ایک کو خوش کریں اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کریں۔ غریب مسلمانوں پر اپنا مال خرچ کرنا بے وقوفی سمجھیں۔ اور امیروں اور نالائقوں کے سامنے انواع واقسام کے بہترین کھانوں کے دسترخوان سجانا قابل فخر سمجھیں۔

یہ ہے زبان سے حب رسول کے دعوے اور عمل سے حب رسول کے بیگانہ پن اور لاتعلقی، اس کا جو نتیجہ نکلنا ہے وہ نکل رہا ہے۔ اگر کچھ بھی بصیرت ہے اگر کچھ بھی آنکھوں میں ایمان کی روشنی ہے تو ہر شخص اچھی دیکھ سکتا ہے۔

حدیث کی روشنی میں

اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم

امۃ اللہ تسنیم

چھوٹے بچہ کی نگرانی اور احتیاط

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حسنؓ بن علیؓ نے ایک کھجور اٹھالیا اور اپنے منہ میں رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا ارے ارے اس کو پھینکو، کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ کا مال ہم نہیں کھاتے (بخاری۔ مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا صدقہ ہمارے لئے جائز نہیں۔

بچہ کو تربیت اور آداب کی تعلیم

حضرت عمرؓ بن ابو سلمہؓ سے (جو ام سلمہؓ کے صاحبزادے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھے) روایت ہے کہ میں رسول اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور پیالہ میں ادھر ادھر سے کھایا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اللہ کا نام لے کر سیدھے ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔ اس کے بعد میں اسی طرح سے کھانے لگا۔ (بخاری۔ مسلم)

ہر شخص اپنے متعلقین کا ذمہ دار ہے اور خدا کے سامنے جوابدہ ہے

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ تم اپنی اپنی جگہ پر ذمہ دار ہو۔ خلیفہ ذمہ دار ہے اس سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے وہ اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ تم سب ذمہ دار ہو۔ اپنی رعیت کے متعلق پوچھے جاؤ گے۔ (بخاری۔ مسلم)

بچوں کو نماز کی تاکید اور تنبیہ

حضرت عمروؓ بن شعیب سے روایت ہے کہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں...... وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری اولاد جب سات برس کی ہو تو نماز کی تاکید کرو۔ جب دس برس کی ہوجائے تو مار کر نماز پڑھاؤ۔ اور ان کے بستر الگ کردو۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بچے سات برس کے ہوں تو نماز کی تاکید کرو اور جب دس برس کے ہوں تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ۔ (ابوداؤد۔ ترمذ)

حضرت جبریلؑ کی تاکید

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریلؑ مجھے برابر ہمسائے کے بارے میں وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھ کو خیال ہوا کہ کہیں اس کو وارث نہ بنادیں۔ (بخاری۔ مسلم)

سالن زیادہ کرکے پڑوسی کی مدد

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں۔ خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ فرمایا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔ (بخاری۔ مسلم)

کسی تحفہ کو حقیر نہ سمجھو

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان عورتوں پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے کسی تحفہ کو حقیر نہ سمجھو۔ اگرچہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (ب۔م)

دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکنا چاہئے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں لکڑی وغیرہ گاڑنے

سے نہ روکے، پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کیا بات ہے کہ تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں تمہارے کے درمیان اس کو پھینک دوں گا۔ (بخاری۔ مسلم)

ہمسائے کو تکلیف نہ دے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے جس کا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہو وہ اپنے مہمان کی خاطر کرے۔ جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے وہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

قریب تر پڑوسی زیادہ مستحق ہے

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کو تحفہ بھیجوں۔ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری۔)

اللہ کے نزدیک افضل کون ہے

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے یہاں وہ لوگ بہتر ہیں جو اپنے ساتھیوں کے لئے بہتر ہیں اور اللہ کے یہاں وہ پڑوسی بہتر ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے بہتر ہے۔ (ترمذی)

محبوب ترین عمل

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا۔ میں کہا پھر؟ فرمایا والدین کے ساتھ بھلائی کرنا۔ میں نے کہا پھر؟ فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری۔ مسل)

والدین کے احسان کا صلہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا لڑکا اپنے باپ کو بدلہ نہیں دے سکتا۔ مگر اس طرح کہ باپ کو کسی کی غلامی میں پائے تو اس کو خرید کر آزاد کرے۔ (مسلم)

رشتہ داری کا خیال

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی خاطر کرے اور جس کا ایمان اللہ اور آخرت پر ہو وہ صلہ رحمی کرے اور جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے وہ بولے تو اچھی بات بولے، ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری۔ مسلم)

صلہ رحمی اور قطع رحمی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا جب اس سے فارغ ہوا تو رشتہ نے عرض کیا قطع رحمی سے پناہ مانگنے کی یہ جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں۔ کیا تو راضی ہے کہ جو تجھے جوڑے اسے میں جوڑوں، اور جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹوں۔ رشتہ نے کہا ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس یہ تیرے لئے ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو۔

بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو تجھے جوڑیگا اس کو میں جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا اس کو میں کاٹوں گا۔

ماں کا حق اور فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اچھے برتاؤ کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ کہا پھر فرمایا تمہاری ماں۔ کہا پھر؟ فرمایا تمہاری ماں۔ کہا پھر؟ فرمایا تمہارا باپ۔ (بخاری۔ مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ اس آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اچھے برتاؤ کا کون زیادہ مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا تیری ماں، کہا پھر؟ فرمایا تیری ماں، کہا پھر؟ فرمایا تیری ماں، کہا پھر؟ فرمایا جو سب سے زیادہ قریب ہو جو سب سے زیادہ قریب ہو۔

غم اور پریشانی کا علاج

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب

دنیا ایک پریشانی اور غم کا نام ہے۔ دنیا میں رہ کر کسی نہ کسی طرح کی فکر اور پریشانی ضرور لاحق ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی کوشش کرنا کہ کسی قسم کی تکلیف یا غم کی بات لاحق نہ ہو یہ بیکار ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ پریشانی وغم کی بات سے جو اثر ہوتا ہے اس سے انسان محفوظ ہوجائے یعنی پریشانی کی بات ظاہر ہو مگر اس کو پریشانی نہ ہو یہ بات صرف دو باتوں کے پیش نظر رکھنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہیں اور ہر قسم کا تصرف بندہ پر فرماسکتے ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم سے ہوتا ہے بغیر اس کے حکم کے ذرہ بھی نہیں ہل سکتا۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہیں ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، اس میں ضرور مصلحتیں ہوتی ہیں جن کے جاننے کا انسان نہ مکلف ہے اور نہ ان کا جاننا ضروری ہے۔

ان دو چیزوں کو ذہن میں بار بار سوچنا چاہئے کہ ہر وقت یہ خیال کرنے پر فوراً یہ دونوں باتیں سامنے آجائیں۔

اب جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو فوراً سوچئے کہ یہ بحکم خداوندی ہوا، جیسا کہ پہلی بات میں کہا گیا۔ پھر یہ سوچئے کہ اس میں ضرور کوئی مصلحت ہے۔ گو ہم کو علم نہ ہو۔ اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو تکلیف کے باوجود دلی پریشانی نہ ہوگی۔ اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ عاقل شخص کے آپریشن ہوتا ہے۔ ہاتھ کٹنے پر تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر وہ سمجھتا ھے کہ اس میں میری مصلحت ہے۔ اس لیے وہ ڈاکٹر سے خوش رہتا ہے اس کو فیس بھی دیتا ہے۔ اور یہی آپریشن نافہم بچہ کے ہو وہ کیونکہ مصلحت سے واقف نہیں ہوتا اور یہ جانتا نہیں کہ اس میں میری مصلحت ہے۔ اس لیے وہ گالی تک دے دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت کا خیال سکون بخش ہوتا ہے۔ ان کو بھی اختیار کرے خصوصاً دعا خوب کرے کیونکہ یہ بڑی مؤثر چیز ہے۔

نیز امور ذیل کے اضافہ سے بفضلہٖ تعالیٰ بہت جلد سکون ہوجاتا ہے۔

نفل نماز کی کثرت

ذکر اللہ کی کثرت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرنا۔ کسی تعداد کی قید نہیں، اور کسی خاص ذکر کی پابندی ہے مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔ یا درود شریف جو چاہے پڑھنا۔

☆......اجر وآخرت کا تصور وخیال رکھنا، اگر کسی بچے کا انتقال ہوگیا ہو، یہ سوچنا کہ یہ قیامت میں شفاع کرے گا۔

☆......زندوں میں سے جس سے انس ہو اس کا تصور وخیال انتقال کرنے والے کی یاد کے وقت رکھنا۔

☆......یا حی یا قیوم کا ورد کثرت سے کم ازکم شب وروز میں پانچ سو مرتبہ اور ایک نشست میں سو مرتبہ۔

☆......حیات المسلمین" کے باب صبر وشکر کا مطالعہ کرنا۔ اسی طرح تبلیغ دین کے باب صبر وتفویض کو دیکھنا۔

☆......اہل اللہ اور کاملین کی ورنہ صالحین کی صحبت میں بیٹھنا اس خیال سے کہ ان کے قلبی برکات کا عکس میرے قلب پر پڑے۔ اگر صحبت کا موقع نہ ملے تو ان کے مواعظ وملفوظات دیکھنا۔

تعلیم اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے یہ دنیا ہر طرح کی برائیوں کی آماجگاہ تھی کوئی برائی نہ تھی جو عرب کے سماج میں نہ پائی جاتی ہو۔ لوگوں کی جان محفوظ تھی نہ مال اور نہ عزت وآبرو، بے حیائی کا یہ حال تھا کہ اور مواقع تو کجا، کعبہ کا طواف بھی بے لباس کرتے تھے، مرد بھی عورت بھی، ظلم وجور کی کوئی حد نہ تھی اور سماج کے تمام فیصلے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر ہوا کرتے تھے، مذہبی پہلو سے دیکھئے تو بدترین شرک تھا جس میں عرب گرفتار تھے اور عرب سے لے کر چین تک پوری مشرقی دنیا علانیہ شرک میں مبتلا تھی، سلطنت روم کا مذہب گو عیسائیت تھا لیکن یہاں بھی توحید کے پردہ میں شرک ہی کی حکمرانی تھی اور ایک خدا کے بجائے تین افراد پر مشتمل خدا کا کنبہ تشکیل پاچکا تھا اور ان سب کی پرستش کی جاتی تھی۔

ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور جب عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو نبوت کا تاج گہربار سر مبارک پر رکھ دیا گیا۔ بہ ظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ ان حالا میں جو پہلی وحی نازل ہوتی وہ اصلاحِ عقیدہ کے پہلو سے توحید کے اثبات اور شرک کی رد میں ہوتی، یا انسانی نقطہ نظر سے ایسی آیت ہوتی جس میں ظلم وجور سے منع کیا گیا ہو اور انسانی اخوت وہمدردی اور محبت ومروت کی طرف دعوت دی گئی ہو یا سماجی اصلاح سے متعلق کوئی آیت ہوتی، جس میں بے شرمی اور بے حیائی سے روکا گیا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی اس میں ان سے کسی بات کا تذکرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اقراء باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرا وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔ (علق:۔۵)"اپنے رب کے نام سے پڑھ جو سب کا خالق ہے، جس نے آدمی کو جمے ہوئے لہو سے بنایا، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے علم سکھایا، آدمی کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا"

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تعلیم اور پڑھنے کی طرف متوجہ فرمایا: اس لئے کہ علم کی مثال روشنی کی سی ہے۔ اگر کسی تاریک کمرہ میں سانپ بھی ہو، بچھو بھی اور دوسرے تکلیف دہ کیڑے مکوڑے بھی، آپ ان سب کو مارنے اور بھگانے کے لئے الگ الگ محنت کریں تو وقت بھی زیادہ لگے گا اور شاید کامیابی بھی نہ ہو لیکن اگر آپ ایک چراغ جلا کر رکھ دیں تو خود بخود یہ کیڑے مکوڑے اپنا بسیرا اٹھالیں گے، کیوں کہ تاریکی ہی ان کی پناہ گاہ ہے، یہی کیفیت انسانی سماج میں علم کی ہے، عقیدہ عمل اور معاشرت واخلاق کی تمام برائیاں جہالت کا نتیجہ ہیں، جہالت کی تاریکی ہی میں یہ تمام مفاسد پرورش پاتے ہیں تعلیم کی روشنی جتنی پھیلے گی، یہ بگاڑ بھی خود بہ خود دور ہوتا جائے گا۔ تعلیم کے بغیر سماج کی برائیوں کو دور کرنے کی مثال جڑوں کے بجائے ٹہنیوں اور پتوں پر پانی دینے کی ہے کہ اس سے وقتی فائدہ تو ہوسکتا ہے لیکن کسی دیرپا تبدیلی کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔

اسی لئے تعلیم کی بڑی اہمیت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسلام نے صرف مذہبی تعلیم ہی کو اہمیت دی ہو، بلکہ اسلام نے علم کی تقسیم علم نافع اور علم غیر نافع سے کی ہے جو علم انسان کو دینی یا دنیوی اعتبار سے نفع پہنچائے اور ان کے مسائل کو حل کرے وہ علم نافع ہے اور جو علم

انسانیت کے لئے ہلاکت اور مضرت کا سامان ہو وہ علم غیر نافع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم نافع کے لئے دعا کیا کرتے تھے اور جو علم نافع نہ ہو، اس سے پناہ چاہتے تھے۔ اس اصول پر غور فرمایئے تو اکثر عصری علوم وفنون علم نافع کی فہرست میں آتے ہیں طب انسانی جسم کے لئے نفع بخش ہے، انجینئرنگ انسانی ضروریات کی تکمیل میں مفید ہے، علم قانون میں انسان کی عزت وآبرو کی حفاظت ہے، ادب وصحافت کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ہوتا ہے، جس پر سماج کی اخلاقی اور روحانی اقدار کا تحفظ موقوف ہے، تجارت اور معاشیات سے متعلق علوم کا مقصد فرد اور سماج کی معاشی ضروریات کو پوار کرنا اور اس کے صرف کے جائز اور مناسب مواقع کی رہنمائی کرنا ہے جس کے مفید اور نافع ہونے سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ اس لئے یہ تمام علوم اسلام میں مطلوب ہیں اور ان کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے۔

اسلام نے کبھی علم وتحقیق سے عداوت نہیں رکھی، بلکہ لوگوں کو کائنات کی مخفی حقیقتوں میں غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی اور حکمت ودانائی کی ہر بات کو مومن کی متاع گم گشتہ قرار دیا علم کے اعتراف میں اپنے اور بےگانے کا فرق نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن صلت کے اشعار کی تعریف فرمائی، جو زمانہ جاہلیت کا شاعر تھا اور علم کی تحصیل میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دوست اور دشمن کا فرق نہیں کیا۔ غزوہ بدر میں جو لوگ قید ہو کر آئے ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ ان میں جو لوگ پڑھے لکھے ہوں وہ دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ یہی ان کا فدیۂ رہائی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ دشمن تھے نہ کہ دوست اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مشرک تھے، علم دین تو ان سے حاصل ہو نہیں سکتا تھا۔ اگر آپ ان کے تعلیمی فدیہ وصول کرنے کے بجائے مالی فدیہ ہی وصول کرنے پر اصرار کرتے تو معاشی نقطۂ نظر سے اہل مدینہ کے لئے یہ مناسب ہوتا، کیونکہ اس وقت مسلمان سخت غریب اور افلاس کی حالت میں تھے اور فاقہ کشی کے ساتھ گذر بسر عام تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات میں بھی تعلیم کو ترجیح دی۔ یہ گویا اس بات کا سبق ہے کہ تعلیم کا حاصل کرنا بہرحال ضروری ہے؛ چاہے اس کے لئے پیٹ کاٹنا پڑے یا فاقے برداشت کرنے پڑیں، لیکن بچوں کی تعلیم کو کسی قیمت پر نظر انداز نہ کیا جائے۔

آج مسلمانوں کو یہی سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ معمولی کھائیں، معمولی کپڑے پہنیں، عیش وعشرت کے دوسرے اسباب سے اپنے آپ کو بچائیں، معاشی تنگی کو گوارا کریں، لیکن ہر قیمت پر اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں۔ ہمارے سماج کا کوئی بچہ ایسا نہ ہو جو تعلیم سے محروم رہے عام طور پر غریبوں کی مدد اور تعاون کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ وقتی طور پر کچھ پیسے دے دیئے جائیں، کچھ کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر دی جائے عید کا موقع ہو تو کپڑے دیئے جائیں، ہم اسی کو بڑی خدمت سمجھتے ہیں، حالاں کہ خدمت کا زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس کے لئے روزگار اور معاشی سطح کو مستقل طور پر اونچا اٹھانے کی تدبیر ہو، جیسے کوئی دکان لگا دی جائے کہیں ملازمت دلا دی جائے۔ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی تدابیر کا اختیار کرنا ثابت ہے۔ ایسی ہی تدابیر میں ایک یہ ہے کہ کوئی شخص اگر خود اپنے بچہ کو پڑھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو ان کے بچوں کو تعلیم دلا دی جائے۔ یہ صدقۂ جاریہ ہوگا اور اس بچہ کے ذریعہ خود اس کی اس کے والدین کی اور خاندان وسماج کی جو کچھ خدمت ہوگی، یہ اس کے اجر میں شریک ہوگا۔ یہ انسانی خدمت کا سب سے اہم اور مفید طریقہ ہے۔ اگر کسی شخص کے دو بچے ہوں تو اس کو خیال کرنا چاہئے کہ گویا اس کے تین بچے ہیں اور وہ اپنے دو بچوں کے ساتھ اپنی قوم کے ایک اور بچہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کرلے۔ یقیناً یہ بہت بڑی خدمت ہوگی اور اس طرح سماج کی بہت سی مشکلات حل ہوسکیں گی۔ جب تک پورا سماج نہ پڑھے پوری قوم ترقی نہ کرے یقیناً ہماری

ترقی ادھوری اور ناتمام ہوگی۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان بچوں کی ایک اچھی خاصی تعداد پرائمری کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیتی ہے، بہت سے طلبہ ہائی اسکول کی سطح پر تعلیم ترک کر دیتے ہیں اور اعلیٰ فنی تعلیم میں تو ہمارے بہت ہی کم بچے پہنچ پاتے ہیں، یہ نہایت افسوس ناک بات ہے۔ ترک تعلیم کی وجہ کبھی معاشی ہوتی ہے، کبھی طالب علم کی پست ہمتی اور بہت سے گھروں میں والدین کی جہالت اور سرپرستوں کی ناواقفیت۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان رہنما اور اہل دانش نئے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر گاؤں گاؤں اور شہر شہر کے مختلف محلوں میں چند پڑھے لکھے رضاکاروں کی ایک کمیٹی بنائیں، جو سلسلۂ تعلیم منقطع کرنے والے بچوں اور ان کے سرپرستوں کے حالات کا جائزہ لیں، اگر طالب علم پست ہمتی کا شکار ہو رہا ہے تو اس کے لئے کچھ کوچنگ کا انتظام کریں اور ان کی ہمت بڑھائیں اگر سرپرستوں کی غفلت اور ناسمجھی ہو تو ان کا شعور بیدار کریں اور جو مواقع گورنمنٹ کی طرف سے حاصل ہیں ان کو ان سے استفادہ کی راہیں بتائیں اور جو بچے معاشی پسماندگی کی وجہ سے تعلیم سے محروم ہو رہے ہوں، ان کی تعلیمی وسائل میں مدد کریں اور اہل خیر کو اس جانب متوجہ کریں، کسی کو کتابوں کی ضرورت ہو تو کتاب دلا دیں، کسی کو اسکولوں کے داخلہ فیس کا مسئلہ ہو تو اس میں تعاون کر دیں، اسی طرح تھوڑی سی کوشش اور فکرمندی کے ذریعہ بہت سے طلبہ کے سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

ایک اہم مسئلہ زبان کا بھی ہے۔ اسلام کسی زبان کا مخالف نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام زبانیں اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت زید بن ثابتؓ نے کئی زبانیں سیکھی اور ان میں مہارت حاصل کی، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی مضمون کی تعلیم کے لئے سب سے بہتر ذریعہ ''مادری زبان'' ہے، اجنبی زبان میں طالب علم کو دوہری مصیبت پیش آتی ہے۔ ایک زبان کو سمجھنے کی اور دوسرے اس مضمون کو اپنے گرفت میں لانے کی، مادری زبان ایک دشواری کو آسان کر دیتی ہے اور طالب علم کو اپنا ذہن اس مضمون کے سمجھنے پر مرکوز رکھنے کا موقع ملتا ہے اس لئے ہر سال اچھے رینک لانے والے اور مقابلاتی امتحان میں بہتر پوزیشن حاصل کرنے والے بچے وہ ہوتے ہیں، جو مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بناتے ہیں۔ اس حقیقت کو تمام ماہرین تعلیم تسلیم کرتے ہیں بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ مادری زبان کی اہمیت کی طرف تو خود قرآن مجید میں بھی ارشاد ملتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے ہر قوم میں اس قوم کی زبان میں پیغمبر بھیجا ہے۔ **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه** (ابراھیم:۴)

بدقسمتی سے مسلمان اردو زبان کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں، جو لوگ اردو زبان کے تحفظ کی تحریک چلاتے ہیں، بلکہ اردو ہی کی روٹی کھاتے ہیں وہ خود بھی اپنے بچوں کے لئے اردو ذریعہ تعلیم کو پسند نہیں کرتے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت اردو اقامتی اسکول قائم کرتی ہے لیکن بچے دستیاب نہیں ہوتے، یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے ہیں، لیکن طلبہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ وہ بند ہو جائیں۔ یہ نہایت تکلیف دہ صورت حال ہے اور اس سلسلہ میں قومی سطح پر شعور کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ آہستہ آہستہ ہم سے ہماری زبان بھی چھن جائے گی۔

قوم سے صحیح محبت یہی ہے کہ ہم اپنی نسلوں کو تعلیم میں آگے بڑھائیں اور جس شرمناک تعلیمی پسماندگی سے ہم دوچار ہیں پوری قوم کو اس سے باہر نکالنے کی کوشش کریں۔ مسلم جماعتیں ایک لائحۂ عمل مرتب کریں اور ایک محدود مدت کا پروگرام بنائیں کہ ہم اس مدت میں مکمل طور پر ناخواندگی کو مٹا دیں گے اور ہمارے سماج کا کوئی لڑکا یا لڑکی ایسا نہ ہوگا جو تعلیم سے محروم ہو!

مسلم خواتین کے اخلاق

محمد اعظم

شریعت محمدیہ نے معاشرے کو پاکیزہ رکھنے کے لیے نہ صرف یہ کہ بدکاری سے بچنے کا حکم فرمایا بلکہ اس کے ذرائع تک بند کیے۔ اس مقصد کے لیے علماء کرام نے بعض موقع پر احکامات بھی دیے ہیں جن میں چند ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

☆...... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب میں ارشاد فرماتے ہیں: لچک کر باتیں نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے۔ وہ لالچ کرے اور تم معقول انداز سے بات کرو۔"

اگر عورت بوقت ضرورت کسی مرد سے بات بھی کرے تو آواز میں کھرا پن اور سختی ہوتا کہ کوئی بدباطن برا خیال دل میں نہ لائے۔

☆......عورت کسی بھی غیر محرم کے سامنے اپنا نام ذکر نہ کرے بلکہ شوہر، بیٹے، بھائی اور والد کے عنوان سے تعارف کرائے۔ مثلاً اہلیہ فلاں، والدہ فلاں، ہمشیرہ فلاں یا بنت فلاں وغیرہ۔

☆......عورت آہستہ بولنے کی عادت ڈالے۔ عورت گھر کے اندر اور باہر آہستہ بولے۔ حتیٰ کہ بعض فقہا نے عورت کی آواز کو ستر میں شامل کیا ہے۔

☆......جس طرح مردوں کو حکم ہے کہ ہر واقف اور ناواقف آدمی کو سلام کریں۔ عورتوں کے لیے اجازت نہیں کہ ہر راہ چلتے کو سلام کریں۔ اگر رشتے دار ہو تو پھر کر سکتی ہیں۔

☆...... اپنے استعمال کے کپڑے ایسی جگہ نہ لٹکائے جہاں غیر محرم مرد کی نگاہ پڑ سکتی ہو اور اس کو دیکھنے اور چھونے کا موقع مل سکتا ہو۔

. کنگھی کرنے کے بعد اپنے سر سے نکلے ہوئے بالوں کو اِدھر اُدھر نہ چھوڑ دے بلکہ ان کو چھپا دے یا ایسی جگہ رکھے جہاں کسی غیر محرم کی نگاہ نہ پڑے۔

☆......ایسے زیور نہ پہنے جن سے کہ آواز پیدا ہو، حضور کا ارشاد گرامی ہے "ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

☆...... بے پردہ ہو کر گھر سے نہ نکلے

جب عورت بے پردہ ہو کر گھر سے نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے لعنت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

☆......بن سنور کر گھر سے نہ نکلے جو عورت دوسرے مردوں کے سامنے ہار سنگھار کر کے جاتی ہے تو ایسی عورت کے لیے قیامت کے دن تاریکی ہوگی۔

☆......عورتیں فتنے سے بچنے کے لیے راستے کے درمیان نہ گزریں بلکہ راستوں کے کناروں سے گزریں۔

غیر مردوں سے بات چیت اور ہنسی مذاق سے تو منع کیا ہی گیا ہے مگر کسی وجہ سے اگر بات چیت کرنا پڑے تو غیر محرم سے مصافحہ نہ کرے کیونکہ اسلام میں یہ حرام ہے۔

☆...... بلا ضرورت شرعیہ عورت کسی غیر مرد کو خط نہ لکھے تاہم دینی مسائل معلوم کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

☆......مرد اپنی والدہ کے گھر بھی جانا چاہے تو اجازت لے کر جائے۔

☆......کوئی عورت اپنے مرد کے سامنے کسی غیر محرم عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ نہ کرے تاکہ مرد کے دل میں غیر محرم عورت کا حسن جمال گھر نہ کر جائے۔

☆......کوئی مرد اپنی بیوی کی تنہائی کی باتیں کسی دوسرے مرد کے سامنے اور کوئی عورت اپنے مرد کی تنہائی کی باتیں کسی دوسری عورت کے سامنے نہ کرے۔ اس طرح برائی پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اگر مسلمان خواتین اور مردان احکامات کی پابندی کریں تو معاشرے سے بہت سی برائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ ☆☆☆

ظلمتوں ہی سے نمودار سحر ہوتی ہے

راسیہ نعیم ہاشمی

قدیم زمانے میں کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس نے ایک شاہراہ پر بیچ راستے میں ایک بڑا سا پتھر رکھوا دیا۔ اور خود دور چھپ گیا، یہ دیکھنے کے لئے کہ دیکھیں کون اس راستے کے روڑے کو ہٹاتا ہے۔ اس راستے سے کئی تاجر گزرے خود بادشاہ کے کئی مصاحب گزرے لیکن سب راستے سے یونہی گزرتے چلے گئے کسی نے بھی اس راہ کے پتھر کو ہٹانے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ کچھ نے خود کو بادشاہ کو گالیاں دینے سے بھی باز نہیں رکھا کہ اس کی مملکت میں سڑکوں پر صفائی کا ناقص انتظام ہے۔

آخر کار وہاں سے ایک کسان کا گزر ہوا جو اپنے سر پر ترکاری کا گٹھا لادے جا رہا تھا۔ اس نے جب راستے میں بڑا پتھر رکھا دیکھا تو اپنا گٹھا سر سے اتار کر نیچے رکھا اور پتھر کو سڑک کے کنارے کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ کافی تگ و دو کے بعد وہ پتھر کو سڑک کے کنارے کر پایا۔ پھر جب وہ ترکاری کا گٹھا اٹھا کر اپنی راہ لینے لگا تو ٹھیک اسی جگہ جہاں پتھر رکھا تھا اسے ایک تھیلی نظر آئی اس نے کھول کر دیکھا تو تھیلی اشرفیوں سے بھری تھی اس میں ایک چٹھی بھی تھی جس میں لکھا تھا کہ یہ بادشاہ کی طرف سے ایک انعام ہے اس شخص کے لیے جو پتھر کو راستے سے ہٹانے کی زحمت کرے گا۔ کسان نے اس راز کو پالیا تھا جو ہم اور آپ کی سمجھ سے بالاتر ہے یہی کہ منزل کی راہ میں حائل ہونے والا ہر روڑا کامیابی کی سمت ایک موقع فراہم کرتا ہے اور نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بغیر تگ و دو کے کامیابی ہاتھ نہیں آتی۔

ٹھوکروں ہی سے تو ملتا ہے سراغ منزل
ظلمتوں سے نمودار سحر ہوتی ہے

آپ نے بھی یقیناً مشاہدہ کیا ہوگا کہ بے حسی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اب وہ زمانے گئے کہ جب بغیر غرض وغایت کے کسی کی مدد کی جاتی تھی احساس و مروت ہر دل میں موجود تھی۔ اب تو یہ عالم ہے کہ لوگ حادثہ دیکھ کر بھی نہیں ٹھہرتے۔

دنیا کے رنگ ڈھنگ نرالے ہیں۔ بدلتے موسموں کے ساتھ ساتھ مزاج اور رویوں میں بھی بدلاؤ آتا جا رہا ہے۔ بدلتے وقت اور نئی سماجی اقدار نے انسانیت اور اخلاقی کے پیمانے بھی بدل ڈالے ہیں۔ اب وہ اقدار پس پشت چلی گئیں جو کبھی شخصیت کا خاصا ہوا کرتی تھیں۔ آپ نے بھی یقیناً مشاہدہ کیا ہوگا کہ بے حسی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اب وہ زمانے گئے کہ جب بغیر غرض وغایت کے کسی کی مدد کی جاتی تھی احساس و مروت ہر دل میں موجود تھی۔ اب تو یہ عالم ہے کہ لوگ حادثہ دیکھ کر بھی نہیں ٹھہرتے۔ ہر طرف افراتفری مچی ہے اگر اب بھی اپنے ضمیر کو بیدار نہ کیا تو معاشرہ ایک مشین میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور ہم انسان گوشت پوست کی مشینیں بن جائیں گی جن میں احساس و جذبات کا آتش فشاں سرد ہو جائے گا اپنے معاشرے کو ایسے روپ میں دیکھنا کون گوارا کرے گا۔ یقیناً آپ سب بھی نہیں چاہیں گے کہ ایسا وقت آئے لیکن اس کے لیے ہمیں محنت درکار ہے کہ از سر نو اپنے کردار کی تعمیر کریں تمام تر ذمے داری دوسروں پر نہ چھوڑیں بلکہ اپنی انفرادی اصلاح سے شروعات کریں۔ آپ کو مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اخلاق و کردار میں بھی آگے ہوں۔

☆☆☆

آدمیت، احترامِ آدم است

صابر علی سیوانی

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات تاز
بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

اگر اسی بات کو ہم دوسرے لفظوں میں کہیں کہ ایک انسان صدیوں میں پیدا ہوتا ہے جو واقعی انسان کامل اور دانائے راز بن کر آتا ہے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ انسان کی تلاش میں بڑی جدو جہد کرنی پڑتی ہے اور وہی انسان ایک تاریخ ثبت کرتا ہے جو لوازمہ انسانیت سے مزین ہوتا ہے۔ اگر انسان کی تعریف کسی دوسرے شاعر کے لفظوں میں کرنا چاہیں تو ہمیں درج ذیل شعر کا سہارا لینا پڑے گا۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا جانے والا حیوان ناطق کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے اندر اپنی شناخت کی صلاحیت پوشیدہ ہو جو اپنے پوشیدہ خودی کی دولت کی پہچان کر سکے۔ اگر اس کے اندر یہ خوبی موجود ہے تو وہ ضرور انسان معراج کی سیڑھیوں پر چڑھنے کا اہل ہے۔ جب وہ انسان اپنی شناخت کر لے گا تو وہ دنیا کے اسرار ورموز اور کائناتی حقائق کا فہم وادراک بآسانی کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خدا کی معرفت بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ "**من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**" (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے خدا کی معرفت حاصل کر لی) خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنے من میں ڈوبنا پڑتا ہے۔ اپنی ہستی کا ادراک کرنے کے لیے اپنے آپ کو فنافی اللہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر فنافی اللہ والی کیفیت اس کے اندر پیدا ہوگئی تو وہ ایک انسان کی عظیم منزل پا سکتا ہے جن کے بارے میں بے شمار اقوال اور متعدد احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ اس قول کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں جسے امام رومؒ نے بیان کیا ہے۔ اور وحدت الوجود کے فلسفے کی تشریح کی ہے۔

فانی خود شو کہ تابانی خدا
خویش را بہ شناس تابابی خدا

اپنی شناخت کے لیے تم اس قدر محو ہو جاؤ کہ اپنا وجود بھی تمہیں معدوم لگنے لگے اور جب تم اپنا وجود کھو کر خود کو پہچان لو گے تو سمجھ لو کہ تم نے خدا کو بھی پہچان لیا ہے۔ علامہ اقبالؒ جو مولانا رومؒ کے افکار وتخیلات کے بڑے مداح اور پیروکار تصور کیے جاتے ہیں، انہوں نے بھی اس خیال کو اپنے مخصوص لب ولہجہ میں یوں بیان کیا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

علامہ اقبالؒ کے لفظوں میں "اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی" سے متصف ہونے والا انسان بڑی ہی عظمت والا بشر ہوگا۔ اسے بشری احساسات کا خیال بھی ہوگا اور انسانی جذبات کی فکر بھی لاحق رہے گی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کو اپنے وجود کی ناپائیداری کا ہمہ وقت احساس بھی ستاتا رہے گا اور جب اس احساس کی دھیمی دھیمی آنچ اسے اپنے سینے میں محسوس ہوگی تو ضرور اسے دوسرے انسان کی عظمت وبزرگی اور احترام آدمیت کا پاس ولحاظ رہے گا۔ جب اسے دوسروں کے جذبات احساسات کی قدر محسوس ہوگی تو وہ اذیت رسانی اور دل زاری سے گریز کرے گا اور اس حدیث کے مصداق **کل مومن اخوۃ** (ہر مومن بھائی ہے وہ کبھی بھی اپنے بھائی کو کمتر نہیں سمجھے گا۔ کبھی بھی وہ کسی کی دل آزاری نہیں کرے گا۔ اگر یہ خوبی اس کے اندر پیدا ہوگئی تو وہ انسان دوسروں کے لیے مشعل راہ بن جائے گا۔

اگر انسان کی تخلیق کا مقصد ہم قرآن کی روشنی میں تلاش کریں تو ہمیں یہ آیت بڑے صاف لفظوں میں بتاتی ہے کہ "اللہ نے جن اور آدمی کی تخلیق صرف اس لیے کی ہے کہ وہ عبادت کریں۔" (**وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون**) انسان خدا کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا یعنی وحدہ لاشریک کی بڑائی اور حمد وثنا کے لیے ہمیں اپنی زندگی صرف کر دینی چاہئے۔ جو انسان خدا کی عبادت کے لیے اپنی زندگی صرف کر دے گا تو وہ قرآنی احکامات کی پیروی بھی کرے گا اور قرآن میں کہا گیا ہے **فاما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر** (تم یتیم کو حقیر مت سمجھو اور کسی سائل کو مت جھڑکو) دوسری جانب والدین کی عظمت بھی بیان کی گئی ہے۔ **فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما** (تم ان دونوں کو) (والدین) کو اف تک نہ کہو اور نہ ہی ان کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو) انسانی رشتوں کا خیال رکھنے والا انسان ہی سب سے بزرگ ہے اور اس میں نہ ہی اس کی شرافت کو دخل ہے اور نہ ہی حسب ونسب اور خاندانی بزرگی کا ہے کیونکہ خدا کے نزدیک بزرگ اور عظمت والا وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرتا ہے جو پرہیز گار ہے، جو تقویٰ وپرہیز گاری کی دولت رکھتا ہے۔ خدا وند قدوس کا ارشاد ہے : **ان اکرمکم عند اللہ اتقکم**۔ ایک بزرگ صوفی شاعر مولانا عبدالرحمٰن جامی کا یہ شعر یہاں صحیح عکاسی کرتا ہے:

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ درین راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

اللہ کی راہ میں نسب ونسل کی کوئی اہمیت نہیں ہے، وہاں تو خشیت الٰہی خوف خداوندی اور تقویٰ ہے اصل عظمت اور بزرگی کا پیمانہ ہے۔ اپنا جاہ ومرتبہ اور حسب ونسب پر غرور کرنے والا انسان ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے۔ دنیا میں بھی اسے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور عقبیٰ میں تو اسے رسوا ہونا ہی ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر تصور کرتا ہے۔ خود کو اہل اشراف میں جانتا ہے۔ جو انسانی رشتوں میں تفریق کرتا ہے صرف حسب ونسب کی بنا پر تو اس انسان میں وہ اوصاف پیدا نہیں ہو سکتے جس کی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ وہ احترام آدمیت سے کوسوں دور نظر آتا ہے۔ پھر ایسا انسان کس زمرے میں آسکتا ہے یہ ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خواجہ میر درد نے انسانی رشتوں کو اولیت دیتے ہوئے انسان کی تخلیق کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ دوسروں کے دکھوں اور تکلیفوں کو محسوس کرے اور دل کے رشتوں کو بخوبی اپنی عملی زندگی میں داخل کرے۔

بس اس کی تخلیق صرف اس لیے ہوئی کہ وہ دلوں کی زبان سمجھ سکے اور اس فریضے کو بحسن وخوبی انجام دے سکے ورنہ اللہ کی عبادت کے لیے تو مقرب فرشتوں کی جماعت کافی تھی۔ انسانوں کا درد محسوس کرنے کے لیے پیدا کیا گیا۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

میر درد نے انسانی تخلیق کا مقصد انسانی دلوں کے درد کو محسوس کرنا بتایا ہے۔ انسان کو تکلیف انسان کی زبان سے زیادہ پہنچتی ہے۔ زبان کی چوٹ جسم کی چوٹ پر بھاری ہوتی ہے۔ اگر کوئی انسان کسی کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اس کا ضمیر ضرور ملامت کرتا ہے مگر وہ اپنی عادت اور فکری بصیرت کی ناپختگی کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کی غیبت کرتا ہے تو اس شخص کو ضرور اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص میرے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا ہے۔ تب بھی وہ غیبت کرنے والے انسان کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اس طرح دو دلوں کے بیچ تفرقہ اور دوری پیدا ہونے لگتی ہے۔ جب کہ قرآن کہتا ہے کہ "**وعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا**" (اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو) تفرقہ اور دوری کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھاما ہے۔ رسی کو استعارے کی شکل میں اختیار کیا گیا ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ کے احکامات کی پابندی کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مل جل کر رہنے کی تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ آپس میں رہنے سے ایک دوسرے سے محبت بڑھے گی اور قربت کا جذبہ بڑھے گا۔

جب قربت بڑھے تو بھائی چارہ بھی بڑھے گا، جب بھائی چارہ بڑھے گا تو ہر شخص ایک دوسرے کو بھائی تصور کرے گا اور اس طرح کل مومن اخوۃ کی شکل میں ہر انسان ایک دوسرے کا احترام کرے گا۔ آپسی رنجش دور ہوگی بغض وعناد کی لعنت ختم ہوگی اور عداوت محبت میں بدل جائے گی۔ پھر انسان، انسانیت کی معراج حاصل کرے گا اور اس وقت یہ بات ضرور ثابت ہوگی کہ ”آدمیت احترام آدم است“

مذکورہ بالا خیالات کی نشاندہی کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے قرآن کی جانب ہماری توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تم واقعی ایک مکمل انسان کی شکل میں اور مرد مومن بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ تم قرآن کی ہدایتوں پر عمل کرو۔ اس کے بغیر تمہیں زندگی گزارنی بہت مشکل ہوگی بلکہ ناممکن ہوگی۔

گر تو میخواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

قرآن پر عمل کرنے کا مطلب ہے نیکی کرنا اور برائی سے احتراز کرنا۔ جب کوئی انسان کسی شخص کی برائی کرتا ہے تو وہ بدی کا کام کرتا ہے۔ چغل خوری اور غیبت کرتا ہے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے اور جب کسی کا دل دکھاتا ہے تو خدا ناراض ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ **الـغيبة اشد من الزنا** (غیبت زنا سے بھی بری چیز ہے) ایسے انسانوں کو لوگ برے القاب سے یاد کرتے ہیں اس پر سے لوگوں کا بھروسہ اٹھ جاتا ہے۔ وہ انسان دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلیل ورسوا ہوتا ہے کیونکہ وہ انسان صرف اپنی بھلائی سوچتا ہے۔ اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے خود پسندی اور مفاد پرستی کو بہتر سمجھتا ہے۔ اپنی نظر میں وہ اچھا انسان بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی حقیقت کی منظر کشی شیخ سعدیؒ نے اپنے اس بیت میں بہت عمدگی سے کی ہے۔

نیک باشی وبدت گوید خلق
بہ کہ بد باشی ونیکت گویند

”تم اپنے آپ کو اچھا سمجھتے ہو، اور لوگ تمہیں برا جانتے ہیں اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تم اپنے کو برا سمجھو اور لوگ تمہیں اچھا سمجھیں“ یعنی تم خود پسندی اور مفاد پسندی میں دوسروں کے مفاد کو بھول کر ایسا کام کرتے ہو جو صرف تم کو اچھا لگتا ہے۔ حالانکہ دوسروں کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے تو اچھا یہ ہوتا کہ کوئی ایسا کام کرتے جس میں تمہارا فائدہ نہ ہوتا بلکہ لوگوں کا مفاد پوشیدہ ہوتا۔ شیخ سعدی نے انسان کو بے غرض، بے لوث اور Selfless ہو کر کام کرنے کی تلقین کی ہے۔ جب وہ انسان ان اوصاف سے متصف ہوگا تو لوگ ضرور اچھا کہیں گے کیونکہ اکثریت پر کل کا حکم صادر ہوتا ہے۔ جب زیادہ تر لوگ کسی کے حق میں فیصلہ صادر کر دیتے ہیں تو اسے ہی صحیح مانا جاتا ہے۔ ذوقؔ دہلوی۔

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو
زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

عیب جوئی انگشت نمائی اور ہنسی اڑانے کا کام وہی شخص کرتا ہے جس کے پاس کوئی خوبی نہیں ہوتی ہے۔ جو ہنر نہیں جانتا ہے۔ جس کے پاس اچھے اوصاف نہیں ہوتے ہیں۔ انسانیت کی ذلیل ترین منزل پر پہنچ کر ایسے کام کیے جاتے ہیں جو اپنے اندر جھانکتا ہے وہ کسی کی ذات پات پر انگلی نہیں اٹھاتا ہے۔ جو خود احتسابی کی صلاحیت رکھتا ہے وہ دوسروں کی عیب جوئی نہیں کرتا ہے۔ سرمد دہلویؔ نے اپنی ایک رباعی اسی مقصد کے لیے لکھی ہے۔

ہر گاہ بہ بینی زکسی عیب وہنر
عیب وہنر خویش در آور بہ نظر
این اسب ہنر بہتر ازیں نیست ہنر
خود رابنگر بہ عیب مردم منگر

”جس وقت تم کسی کے عیب وہنر پر نگاہ کرو تو فوراً اپنے عیب اور ہنر کو دیکھو۔ اپنے آپ کو تنقیدی نظر سے دیکھو۔ دوسروں کے عیب مت دیکھو یہی ہنرمندی اور چالاکی ہے۔ اس سے بہتر کوئی ہنر نہیں۔ سرمد دہلوی نے اس رباعی میں زندگی کی پوری صداقت اور حقیقی تصور پیش کیا ہے۔ اس لعنت کا ازالہ کرنے کا ہنر بھی بتایا ہے جو ہمارے سماج میں عام طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ کسی کی برائی، دل آزاری میں شامل ہوتی ہے۔ دل آزاری بہت بڑی برائی ہے۔ اسے خدا بھی معاف نہیں کرتا جب تک کہ وہ نہ معاف کر دے جس کی دل آزاری کی گئی ہے۔ حافظ شیرازی اپنے منفرد انداز میں دل آزاری سے خود کو کوسوں دور رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو مصحف کو جلا ڈالو اور کعبے کے اندر آگ لگا دو، شراب پی لو لیکن کسی کی دل آزاری مت کرو کہتے ہیں:

می خورو مصحف بسوز، آتش اندر کعبہ زن
ساکنِ بت خانہ باش ومردم آزاری مکن

مولانا روم فرماتے ہیں۔

”اگر تم ہزار بار بھی خانہ کعبہ کی زیارت کرنے پیدل چل کر جاؤ پھر بھی یہ عبادت خدا کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔ اگر تم نے کسی انسان کے دل کو تکلیف پہنچائی۔ اس شعر میں کیسی عبرت آمیز بات مولانا روم نے کہی ہے کہ انسان لاکھ عبادت کرے مگر وہ کسی انسان کی دل آزاری کرتا ہے تو قابل قبول نہ ہوگی اور وہ انسان راندہ بارگاہ الٰہی تصور کیا جائے گا مگر یہی دل آزاری شاعروں کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی ہے۔ کیوں کہ شاعر کا دل اسی وقت نوک قلم سے خون جگر پلا کر شعری قالب میں ڈھالتا ہے جب اس کا دل سماج کا آئینہ ہوتا ہے، شاعر انہی صداقتوں کو اپنے شعری قالب میں ڈھالتا ہے جس سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ کچھ اس بات کو انوکھے انداز میں ہندوستان کے بزرگ اور استاد شاعر کلیم عاجز نے کہی ہے، جو صرف ایک مخصوص طبقے کی بخوبی عکاسی کرتا ہے:

احسان ہے اس کا جو دکھاتا ہے مرا دل
جب تک نہ دکھے دل میں غزل کہہ نہیں سکتا

انسان کا دل اگر دکھتا ہے تو وہ اندر ہی اندر رو لیتا ہے یا اپنی بات دوسروں سے کہہ کر اپنے دکھی دل کو تسلی دے لیتا ہے مگر شاعر کا دل جب دکھتا ہے تو وہ ایک تاریخ ثبت کرتا ہے اور اس کی بات ضرب المثل بن جاتی ہے مگر دل دونوں کا زخمی ہوتا ہے اور اس زخم کا اندمال آسانی سے ممکن نہیں ہوتا اور سالوں پر محیط یہ زخم دل پر ایک نہ مٹنے والا سیاہ نقش چھوڑ جاتا ہے جو گاہے بگاہے اپنی کسک سے اس کو جھنجھوڑتا رہتا ہے اور تاحیات اس زخم کا مداوا نہیں ہو پاتا ہے۔ اب یہ ہماری عقل سلیم پر منحصر ہے کہ ہم ایک سماج میں بھائی بھائی کی طرح رہتے ہوئے (کل مومن اخوۃ) اپنے ہی بھائی کو دلی تکلیف پہنچائیں یا اس کی دعائیں حاصل کریں۔ میں اپنی بات علامہ اقبال کے اس قول پر ختم کرتا ہوں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان
قہاری وغفاری، قدوسی، وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اگر آدمی کے اندر انسانیت آجائے تو وہ اس دنیا میں کسی بھی جاندار کو نہ تکلیف پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی بشر کو اذیت دے سکتا ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ آدمی بننا آسان ہے مگر انسان بننا بہت مشکل ہے۔ مرزا غالب بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

☆☆☆

بقیہ......سیدنا فاروق اعظمؓ

کیا ایسا کوئی مومن ہے جن کی نیکیاں ان سیاروں ستاروں جتنی ہوں؟ ارشاد سرور دوعالم ہوا، ہاں! ابن خطاب کی نیکیاں اس سے بڑھ کر ہیں۔ (مفہوم حدیث) ام المومنین مغموم ہوگئیں ”تو پھر میرے باپ؟“ فرمایا عائشہ! عمر کی عمر بھر کی نیکیاں تیرے باپ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کی غار ثور والی تین راتوں میں سے ایک رات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ (الحدیث) ہاں! یہی ابن خطاب جب امیر المومنین بنے تو ہوا کے دوش پر ساریہ کو میدان جہاد میں ہدایات دے کر فتح کی راہ دکھائی، زمین پر زلزلہ آیا تو درہ مار کر کہا کیا میں نے تجھ پر عدل قائم نہیں کیا۔ زمین سکون پذیر ہوگئی۔ پہاڑ نے آگ نکالی تو تمیم داری کو بھیج کر اسے واپس ہونے کا حکم دیا اور دریائے نیل کو جاری نہ ہونے پر ایسا دھمکایا کہ اسے اپنے نخرے بھول گئے، وہ آج تک اسلامیان مصر کی خدمت میں مشغول ہے۔ مٹی، آگ، پانی، ہوا ان کا حکم تمام عناصر پر چلا۔ کیوں نہ چلتا کہ علمائے یہود و نصاریٰ بھی ان کا نام ونسب اور صفات اپنی کتابوں میں لکھا پاتے تھے اور اس کا اعلان قرآن نے بھی کیا کہ اصحاب نبی خصوصاً اصحاب کبار کا مبارک ذکر اور ان کی مبارک امثال تورات وانجیل میں دی جا چکی ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ جو قرآن ذیشان پر ایمان رکھتے ہیں۔

سمندروں سے خراج مانگا ابھرتے سورج سے تاج مانگا
کسے خبر ہے کہ ان کا سکہ جہاں میں جاری کہاں کہاں تھا

مولانا کمال الدین

خیر خواہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔"مامنکم من احد الا وقد وکل به قرینه من الملائكة ۔"

(مشکوٰۃ ص: 18 بحوالہ مسلم)

یعنی ہر بنی آدم پر ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر ہے، فرشتہ جس کا نام ملہم ہے خیر کا مشورہ دیتا ہے اور شیطان جس کو اہرمن کہتے ہیں شر پر اکساتا رہے۔

پس اگر عقل غالب آجائے تو نفس جو کہ برائی کا حکم دیتا تھا وہ عقل کا فرماں بردار ہو جاتا ہے حتی کہ اگر انسان سے غیر شرعی امر صادر ہو تو اس پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ یہی حالت نفس لوامہ کی ہے اور پھر دونوں کے باہم اتفاق کی وجہ سے اس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، جو کہ کامیابی کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اور اس کے برعکس اگر نفس کو غلبہ حاصل ہو تو عقل ہر چیز کو حتی کہ شریعت کو بھی نفسانی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کرتی ہے اور جہاں یہ خواہش پوری نہ کر سکے اس سے اعراض کرتی ہے گویا کہ نفس اور عقل کے درمیان یہ اصول طے شدہ ہے کہ دونوں میں سے جو غالب آئے دوسرے کو اس کا ساتھ دینا ہوگا۔ چنانچہ یہ بہت سارے عقلاء اس ضابطے کے تحت گمراہ ہوئے اور یہی ضابطہ غیر مسلموں کی مادی ترقی راز ہے۔ کیوں کہ جب ان پر نفس نے غلبہ حاصل کیا اور اس کی عقلیں نفس کے تابع ہو گئیں تو نفس کی جدت پسندی کی بنا پر ان کی عقلیں ہمہ وقت اپنی توانائی کے تابع ہو گئیں تو نفس کی جدت پسندی کی بنا پر ان کی عقلیں ہمہ وقت اپنی توانائی اسی مقصد کے لیے خرچ کرتی ہیں اور شریعت سے بالکل لاپرواولاتعلق ہو جاتی ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ پھر ان لوگوں کو وہ معقول چیز جس سے نفس نفرت کرتا ہے بھی نامعقول نظر آتی ہے کہ عقل اس کو نفس کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مثلاً قصاص وغیرہ شرعی حدود ان کو وحشیانہ سزائیں دکھائی دے رہی ہیں۔ حالانکہ کہ ان کے فوائد سلیم العقل شخص کے نزدیک روز روشن سے بھی عیاں ہیں۔ یہاں ایک دوسری توجیہ بھی کی جاسکتی ہے۔ جو فلسفی اصول پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ عقل صرف کلیات اور جزئیات مجردہ (یعنی وہ جزئیات جو مادہ سے خالی ہوں) اور معنی کا ادراک تو کرتی ہے مگر مادی اشیا کا ادراک ہرگز نہیں کرسکتی، کیوں کہ عقل مجرد (مادہ سے خالی)) ہے۔ لہٰذا اس میں مادی اشیاء واقع نہیں ہوسکتیں ہیں، جب کہ وہم ان معانی کا ادراک کرتا ہے جو حس مشترکہ میں واقع جزئیات محسوسہ کی صورتوں سے منتزع ہوں۔

﴿ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلا ما بعوضة﴾ اس کی توثیق قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں بیان امثلہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ عقل چوں کہ معنی کا ادراک کرتی ہے اور وہم اس سے قاصر ہے لہٰذا جب کوئی عقلی مسئلہ مذکور ہو تو عقل اس کو سمجھ جاتی ہے۔ مگر وہم اس میں لاعلمی کی وجہ سے عقل کی مخالفت کرتا ہے۔ لہٰذا جب محسوس چیز سے اس کی تشبیہ دی جاتی ہے تو وہم بھی سمجھ جاتا ہے کہ اس لیے دونوں پھر اسی پر متفق ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ کلام الٰہی بلغا اور حکما کی عبارت میں مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس ضابطہ کے تحت یہ کہنا درست ہے کہ مادی ترقی کا دارومدار چونکہ محسوس اشیاء پر ہے اسی لیے عقل کا اس سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں، بلکہ یہ ساری ترقی وہم پرستی پر مبنی ہے، گویا عقل کو بالکل معطل کر کے ہی دنیاوی ومادی اشیاء میں ترقی ہوسکتی ہے۔ اس کی تائید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

کہ "قد یجمعها من لا عقل له"

(الشفاء ص: 141 ج 1)

دنیا کو وہ شخص جمع کرتا ہے جس کی عقل نہ ہو۔

لہٰذا یہ جو مشہور ہے کہ انسانی عقل نے بہت زیادہ ترقی کی ہے، یہ کہنا عقل کی حقیقت سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ جب مادی اشیاء اور عقل کے درمیان کوئی تعلق ادراک ہے ہی نہیں تو پھر اس کی ترقی کو عقل کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

دونوں توجیہوں کا مآل تو ایک ہی ہے کہ عقل کو اعتدال سے خارج کرنے میں حکمت ودانائی ختم ہو جاتی ہے مگر پہلی توجیہ افراط کی صورت ہے۔ اور دوسری تفریط کی۔

عدل

جب انسان کے مزاج میں اعتدال آکر مذکورہ فضائل کے عمدہ زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے اور افراط وتفریط سے دامن بچا کر اوسط راہ کو اختیار کرتا ہے تو یہاں ایک دوسری فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نام عدل ہے۔

گویا عدل عفت، شجاعت اور حکمت کے باہم اختلاط سے معرض وجود میں آتا ہے، انسان انسانیت کے تقاضوں کی تکمیل بغیر عدل کے ہرگز نہیں کرسکتا ہے اس لیے اللہ جل شانہ نے عدل کو لازم قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ ﴿اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ﴾

عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔ (مائدہ)

عدل کا تعلق صرف تہذیب اخلاق سے ہی نہیں بلکہ یہ تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے لیے بھی رکن اعظم ہے، اس لیے اس کے اپنانے پر عقل ونقل دونوں نہ صرف متفق ہیں، بلکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کے مقتضا پر چلنے کو از حد ضروری سمجھتی ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اخلاق اور فلسفہ اخلاق" میں ایک جامع اور لطیف بحث کی ہے، جس کا خلاصہ ترمیم اور اضافہ کے ساتھ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"انصاف یا عدل کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ عدل جو خاص فرد یا شخص کی صفت بنتا ہے اور یوں کہتے ہیں فلاں شخص عادل اور منصف ہے اور دوسرا وہ جو جماعت یا حکومت کی صفت ہے۔

عدل شخصی

ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دینا اور افراد اور اشخاص کا عدل کہلاتا ہے، اس لیے جب ہر شخص اپنی جماعت کا ایک فرد ہے تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جماعت کی خیر خواہی میں اس سے اپنے حصے کے مطابق فائدہ اٹھائے۔ لہٰذا انسان کا ٹھیک ٹھیک اپنے حصہ کو لینے اور بغیر کمی کے ٹھیک ٹھیک دوسروں کے حقوق کو ادا کرنے کا نام عدل یا انصاف ہے اس کے لیے غصب اور چوری ظلم ہے کیوں کہ ان میں دوسروں کے فائدہ کو چھین لینا اور ان کے حقوق روک دینا پایا جاتا ہے اور اسی طرح وہ تاجر جو کسی چیز کو طے شدہ وزن یا پیمانے سے کم تول کر دیتا ہے ظالم ہے، اس لیے کہ وہ بھی دوسروں کے حقوق کے آڑے آتا ہے۔ انسان کو عدل وانصاف سے روکنے اور ظلم وجور میں مبتلا کرنے کے عادتاً دو سبب ہوا کرتے ہیں، ایک اپنے نفس یا اپنے دوستوں اور عزیزوں کی طرف داری دوسرے کسی شخص کی دشمنی عداوت۔

قرآن میں ان دونوں طرف جھکنے سے صراحتاً ممانعت آئی ہے، چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

﴿یا ایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین﴾

اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کی طرف اگر چہ نقصان ہو تمہارا ماں باپ کا یا قرابت داروں کا۔

اور سورہ مائدہ میں اس کے بعد ارشاد ہے۔ ﴿ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا﴾

اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔

پہلی آیت کا حاصل یہ ہے انصاف کے معاملہ میں اپنے نفس اور والدین اور عزیزوں کی بھی پرواہ نہ کرو، اگر انصاف کا حکم ان کے خلاف ہے تو خلاف ہی پر قائم رہو اور دوسری آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ عدل

وانصاف کے معاملہ میں کسی دشمن کی دشمنی کی وجہ سے لغزش نہ ہونی چاہئے اس کو نقصان پہنچانے کے لیے خلاف انصاف کام کرنے لگو اور دوسری جگہ ان آیتوں کا نتیجہ ذکر کرکے ایک جامع ضابطے کی تصریح فرمائی، چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل﴾

اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔

اس جملہ میں حق تعالیٰ نے بین الناس فرمایا، بین المسلمین یا بین المومنین نہیں فرمایا اس میں اشارہ فرمایا کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں، مسلم ہوں یا غیر مسلم اور دوست ہوں یا دشمن اپنے ہم وطن ہوں یا ہم رنگ، ہم زبان ہوں یا غیر، مال دار ہوں یا فقیر، فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان تعلقات سے الگ ہوکر جو بھی حق وانصاف کا تقاضا ہو وہ فیصلہ کریں۔

(معارف القرآن ص448 ج2)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : انما اهلك الذین من قبلكم انهم كانوا اذا سرق فیهم الشریف تركوه ، واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد، وایم الله ، لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدیها'

(بخاری۔ ج2 ص:3 مسلم،2،ج،ص64)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ ہلاک کردیے گئے کہ جب ان میں کوئی سربرآوردہ چوری کرتا تو وہ اس کو معاف کردیتے اور اگر کوئی غریب وکمزور ایسا کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ بخدا! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔

لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے حکم، فیصلے میں اتنا بیدار ہو کہ کسی وقت اس پر خواہش نفس، جانب داری عداوت کا اثر نہ ہونے پائے جو اس کو عدل وانصاف کی راہ سے ہٹادے۔

جماعتی عدل

عادل جماعت وہ جماعت ہے جس کے نظم وقوانین اس قدر سہل الوصول اور آسان ہوں جو اس کے تمام افراد کے لیے ان کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں ترقی کا باعث بنتے ہوں سو اس وقت تک کسی جماعت کو عادل نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کے ذریعہ انسانوں کے ہر ایک گروہ کے لیے وسائل ترقی بہتات کے ساتھ میسر نہ آتے ہوں۔

مثلاً اس قوم میں ایک گروہ تجارت پیشہ ہے اور وہ اپنی تجارت میں ذرائع ابلاغ وترسیل کا محتاج ہے اور ایک طلبہ کا گروہ ہے جو ہر قسم کے علوم کی تعلیم کے لیے مکاتب ومدارس اور ان کے نظم وانتظام اور ہر طالب علم کی احتیاج کے مطابق علوم کا طالب ہے اور ایک گروہ اپنے جھگڑوں میں فیصلہ چاہنے والوں کا ہے اور وہ حاکموں، قاضیوں اور ایسے قوانین کا محتاج ہے جو ملزموں کو سزا دے سکیں۔ اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرسکیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر وہ قوم ان تمام ضروریات کو قائم کرنے اور باحسن وجوہ ان کا انتظام رکھنے والی ہے تو اس کا حق ہے کہ اس کو جماعت عادل کہا جائے ورنہ تو پھر اس کا نام ظالم ہوگا۔"

جیسے کہ ہمارے زمانے میں ہوتا ہے کہ نہ کسی کی صلاحیت کی پروا اور نہ قوم وملت کی خیرخواہی ملحوظ، بلکہ جس نے زیادہ رشوت دی اس کو اپنے حق کے علاوہ دوسروں کے حقوق بھی بآسانی مل جاتے ہیں۔ اور وہ انہیں ہضم کرنے میں کسی قسم کی گرفت سے نہیں ڈرتا اور یہ ناانصافی صرف ایک شعبے میں نہیں، بلکہ ووٹ سے لے کر کورٹ تک تمام شعبہ ہائے زندگی ومعاملات وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔

جماعتی عدل میں جماعت کے ہر فرد سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ جماعتی عدل کو قائم کرنے میں اپنا فرض ادا کرے اور ثبوت عدل کے لیے جن اعمال کی ضرورت ہے اپنی طاقت بھر ان کو انجام دے۔

مثلاً اگر کسی شہر میں شفاخانوں کی ضرورت ہے تو ایک مقرر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تقریر کے ذریعے سے ان کے قیام پر توجہ دلائے اور اخبار نویسوں کا فرض ہے کہ وہ

مقالات کے ذریعے سے یہ خدمت انجام دیں اور شعراء کا فرض ہے کہ وہ اشعار کے وسیلہ سے اور مال داروں کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلہ میں مال کے واسطہ سے یہ فرض انجام دیں اور ارباب قوت وجاہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان جیسے جائز امور کی موفقت میں اپنی قوت وجاہت کو کام میں لائیں۔

اور بالآخر ارباب حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کی قوت تنفیذ کو اس کے نفاذ کے لیے استعمال کریں۔

اور اگر کسی قسم کے افراد اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس صورت میں ان کی نحوست اور ظلم کی زد میں وہ افراد بھی آسکتے ہیں۔ جو اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دے رہے ہیں۔

افلاطون نے اسی کو اپنے قول میں ادا کیا ہے۔

بہترین حکومت وہ ہے جو قوم کے ہر فرد کو اس کے لائق بہترین جگہ دے اور یہ طاقت رکھتی ہو کہ ہر فرد میں اپنے عطیات کو نمایاں کرسکے کہ وہ اپنے ادائے فرض وعہد کے قابل ہوجائے۔

لہٰذا کوئی حکومت اس وقت تک عادل نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنے اس فرض کو پورا نہ کردے۔ (اخلاق اور فلسفہ اخلاق ص:377)

عدل ومساوات

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عدل مساوات کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مساوات کی صورت ہی میں عدل قائم رہتا ہے اور عدم مساوات کی حالت میں عدل باقی نہیں رہتا۔

اس نظریے نے فرانس کی تحریک بیداری کے وقت سے عقول میں جگہ لے لی ہے، کیونکہ اس زمانہ میں فرانسیسیوں کا شعار یہ تھا۔

آزادی، مساوات، اخوت

اس بنیاد پر مبنی لینن اور اسٹالن کے نظریات زن، زر زمین بھی قدرے مختلف انداز میں تحریک کی شکل میں بڑے زور شور کے ساتھ تو ابھرے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ بہت جلد دنیا اس تحریک کی لپیٹ میں آجائے گی مگر وہ بجائے کامیابی کے خود تنقید کا نشانہ بن گئے۔

یہ بات مسلم ہے کہ مساوات چاہنے والے اب بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں، مگر یہ کوئی ایسی حقیقت نہیں کہ ہر عقل اس کو تسلیم کرے، کیوں کہ اگر مساوات کے نعرے لگانے والوں کی عقلیں اس کو حق اور عدل سمجھتی ہیں تو مخالفین کی عقلیں اسے باطل اور ظلم سمجھتی ہیں، گویا ارباب عقل کے اس مسئلہ میں دو گروہ بن گئے ہیں۔

ایک فریق مساوات کا حامی ہے اور اسی کو انصاف سمجھتا ہے اور دوسرا فریق اس کا مخالف ہے اور اس کو ظلم کہتا ہے۔

فریق مخالف کی دلیل یہ ہے کہ انسان بالطبع اپنے قوی اور ملکات میں مختلف ہیں بعض ان میں سے ذکی اور ذہین ہیں اور بعض غبی، بعض حاذق ہیں اور بعض بے وقوف، بعض محنتی ہیں اور بعض نہایت سست مزاج وغیرہ وغیرہ۔

اب اگر ان سب کو ایک ہی معیار زندگی پر رکھا جائے تو اس سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا، کیوں کہ غبی اور بے وقوف کو تو عاقل بنا نہیں سکتے تو لامحالہ ذہین اور عاقل کو ان کے مساوی کرنا ہوگا۔ اور یہ مقتضائے عقل کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہ حکمت وترقی کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ مساوات کی صورت میں کسی کو شدید محنت میں دلچسپی نہیں رہے گی، کیوں کہ اسے حق الخدمت تو ہر صورت میں ملنا ہے۔

بلکہ ایسا کرنا ممکن بھی نہیں، کیونکہ زندگی کے شعبے مختلف ہیں اور مساوات کی بنا پر اس اختلاف کو ختم کرنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں زندگی مفلوج ہوکر رہ جائے گی۔

عدل ورحمت

اکثر اشخاص یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ رحمت انصاف سے بلند شے اور وہ اس قول سے یہ مراد لیتے ہیں کہ عمل باقتضائے رحمت بہتر ہے عمل باقتضا عدل ہے، مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ کیوں کہ عدل اور رحمت کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔

یعنی کبھی دونوں اکٹھا بھی ہوسکتے ہیں اور الگ الگ بھی مثلاً اپنا قرض طلب کرنا عدل ہے، مگر مقروض کے فقیر ہونے کی صورت میں شفقت ورحمت کا تقاضا یہ ہے کہ

اس کو صاحب ثروت ہونے تک مہلت دے دی جائے یا بالکل معاف کر دیا جائے۔ تو چوں کہ قرض ایک ذاتی چیز ہے، اس لیے یہاں رحمت کے مقتضا پر چلنا عدل سے افضل ہے۔

اور جہاں حق کئی اشخاص یا قوم کے مابین مشترک ہو تو وہاں عدل کے مقتضا پر چلنا رحمت سے اولیٰ و بہتر ہے۔

مثلاً مدرسہ کا ایک مدرس اپنے درس کا کام ٹھیک انجام نہیں دیتا، نہ ٹھیک پڑھاتا ہے اور نہ اس کے وجود سے طلبا کو کوئی فائدہ ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ اس کو برطرف کر دیا جائے مگر وہ مدرسہ کا قدیم مدرس ہے، بوڑھا ہو چکا ہے، کثیر العیال ہے، اس موقع پر رحمت تو یہ ہے کہ اس کو برقرار رکھا جائے مگر عدل یہ ہے کہ اسے برطرف کیا جائے کیوں کہ پہلی صورت میں صرف ایک شخص کا فائدہ اور پوری جماعت و ادارے کا نقصان ہے، اس لیے عدل کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس کو برطرف کرنا مدرسہ کا جائز حق ہے بلکہ ذمہ داری ہے۔

اور اگر اسی صورت میں معزول کرنے کے ساتھ ساتھ کسی اور مد سے اس کی مالی مدد کی جائے تو رحمت اور عدل دونوں پر عمل ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح سب کا نقصان بھی ختم ہوا اور انفرادی اور اجتماعی فائدہ بھی حاصل ہوا۔ (فلسفہ اخلاق ص 386)

خاتمہ

اخلاق رذیلہ سے اجتناب اور اخلاق کریمانہ سے آراستہ ہونے کے لیے مندرجہ صفات، حیا، تقویٰ، خوف و رجا، رضا بالقضا، توکل صبر، شکر اور توبہ سے موصوف ہونا ضروری ہے۔

کیوں کہ جب انسان میں یہ اوصاف بوجہ اتم موجود ہوں تو لامحالہ وہ مذموم اخلاق اور بری عادتوں سے گریزاں اور اخلاق محمودہ کے زیور مزین ہونے کی ہر ممکن کوشش سعی کرے گا۔

مثلاً جو اپنے خدا سے خائف ہوگا اس کو امور مرضیہ اور غیر مرضیہ یعنی طاعت و معصیت کی معرفت اور قرآن و سنت کے مطابق چلنے کی ضرور تلاش ہوگی اور جس نافرمان کے دل میں خوف نہیں اور آخرت کی نعمتوں کی امید نہیں، اس کو طاعت کی کیا فکر اور معصیت سے کیا اندیشہ؟ اس لیے مناسب ہے کہ مندرجہ بالا امور کو اجمالاً زیر قلم لایا جائے۔

حیا

حیا ایک ایسی کیفیت اور ملکہ کا نام ہے جس کی بدولت انسان خیر اور بھلائی کی طرف اقدام کرتا ہے اور شر و قبیح سے خوف مذمت کی بنا پر بچتا ہے۔ یہ وقاحت (لاپرواہی اور غلط کام کی جرات) اور خجل (ہر کام کرتے ہوئے شرمندہ ہونے) کے درمیان درجہ اوسط سے عبارت ہے۔

حیا کی فضیلت

حیا کی فضیلت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"الحیاء شعبة من الایمان"

حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

(مسلم ص:7 ج1)

گویا ایمان بغیر حیا کے ناتمام ہے، یعنی جس طرح پھل دار درخت کے لیے شاخوں کا ہونا ضروری ہے اور بغیر شاخوں کے درخت بے ثمرہ رہتا ہے، اسی طرح ایمان کی بھی شاخیں ہیں، جن میں سے حیا قابل ذکر ہے کیوں کہ ایمان کا ثمرہ حیا پر مبنی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے

"الحیاء لایاتی الا بخیر"

(بخاری)

حیا خیر کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں دیتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خیر کے سوا کوئی برا عمل صادر نہیں ہوا، نہ کبھی زنا کیا نہ جھوٹ بولا، نہ شراب پی۔ الغرض فحاشی کا کوئی کام دور جہالت میں بھی ان سے سرزد نہیں ہوا۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص اس نعمت سے محروم رہا تو وہ یقیناً ایک عظیم فضیلت سے دور رہا بلکہ اس کی وجہ سے بہت ساری فضیلتوں سے بے بہرہ رہا۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ **"اذالم تستحی فاصنع ماشئت"** (بخاری)

اس حدیث میں امر بہ معنی خبر ہے یعنی جب تیرے اندر حیا نہ رہے تو ہر قبیح اور گناہ کا کام کرتا رہے گا۔ (مشکوۃ ص 431)

"عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الحیاء من الایمان، والایمان فی الجنة والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار"

(احمد ترمذی ص:21 ج2)

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حیا ایمان کا جز ہے اور ایمان یعنی مومن جنت میں جائے گا اور بے حیائی بدی کا جز ہے اور بد دوزخ کی آگ میں جائے گا۔

"عن زید بن طلحة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان لکل دین خلقا، وخلق الاسلام الحیاء" (مشکوۃ ص:432) حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین میں ایک خلق ہے اور اسلام کا وہ خلق حیا ہے۔

یعنی ہر مذہب والوں میں ایک ایسی صفت، و فضیلت ہوتی ہے جو ان کی تمام صفتوں پر غالب اور ان کی ساری خصلتوں سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ اسلام میں یہ درجہ حیا کو حاصل ہے۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان الحیاء والایمان قرناء جمیعاً، فاذا رفع احدھما رفع الآخر"

(مشکوۃ ص:432)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیا اور ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے، لہٰذا جب کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔

(مشکوۃ ص:432)

انتباہ

حیا سے اس چیز میں شرم کرنا مراد ہے جس میں حیاء کرنا مشروع ہے، چنانچہ جن چیزوں میں شرم و حیا کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسے تعلیم و تدریس، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ادائیگی حق کا حکم دینا، خود حق کو ادا کرنا اور گواہی دینا وغیرہ ان میں شرم حیاء کرنے کی کوئی فضیلت نہیں، بلکہ معیوب اور مذموم ہے۔

تقویٰ

تقویٰ کے معنی دور رکھنے کے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو ان کاموں سے بچانا جو آخرت کے لیے نقصان دہ ہوں۔

اس کے تین مراتب ہیں: نمبر (۱) خود کو ہمیشہ کے عذاب سے بچانے کے لیے شرک سے دور رکھنا۔ (۲) مطلق گناہ (چاہے صغائر ہوں یا کبائر) سے اجتناب کرنا۔ (۳) ہر اس چیز سے دوری اختیار کرنا جو آدمی کی روح کو حق سے پھیرتی ہو۔

یعنی اللہ کی طرف مکمل متوجہ ہونا کہ ذرہ برابر اس کے حکم اور مرضی کے خلاف نہ چلے، اس تیسری قسم کی طرف قرآن میں ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ ﴿واتقو اللہ حق تقاتہ﴾

یعنی اللہ سے اس طرح ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرنا چاہئے۔ یہ آخری قسم تقویٰ کی خواص کا تقویٰ ہے۔ اس کے لیے ایک وسیع علم اور نہایت احتیاط کی ضرورت ہے یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے، البتہ اسی درجہ کے لیے جد و جہد کرنا بہرحال محمود ہے، بلکہ مسلمان کی شان بھی یہی ہونی چاہئے کہ وہ ترقی میں کسی درجہ پر قناعت نہ کرے، بلکہ اس کا سفر و سلوک مسلسل جاری و ساری رہنا چاہئے۔ جس کی طرف اس آیت کے جز ثانی میں اشارہ ہے کہ ﴿اتقواللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون﴾

اور ارشاد ہے: واعبد ربک حتی یاتیک الیقین ﴿ (الآیة)

اور بندگی کیے جا رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات (موت) رہا دوسرا درجہ تو یہ ایک وسیع باب ہے اس میں ہر آدمی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مقام حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس نوع کو استطاعت کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فاتقو اللہ مااستطعتم﴾

یعنی ڈرو اللہ سے جتنا تمہاری قدرت میں ہے یعنی معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کرو اور ظاہر ہے کہ سارے انسان ایک جیسے نہیں، بلکہ ان میں ضعف وخوف، رجا اور احتیاط کے اعتبار سے تفاوت موجود ہے۔

لہٰذا ہر شخص کا تقویٰ دوسرے سے مختلف ہے۔

تقویٰ کی فضیلت

قرآن میں بار بار معصیت اور مشکل سے بچنے کے لیے صبر وتقویٰ کو اپنانے پر زور دیا گیا ہے

گویا تقویٰ انفرادی اور اجتماعی کامیابی کا ضامن ہے اور تمام مشکلات کا حل اس میں مضمر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا﴾

اگر تم صبر وتقویٰ اختیار کیے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہیں پہونچا سکیں گی۔ اور ارشاد ہے:

بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین﴾

البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر اور ارشاد ہے:

﴿واتقو اللہ لعلکم تفلحون﴾

اور ڈرو اللہ سے تا کہ تمہارا بھلا ہو۔

اور ارشاد ہے: **﴿یا ایھا الذین آمنوا صبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون﴾**

اے ایمان والوں صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔

اس آیت میں تقویٰ کو سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے، تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ تقویٰ ان سب کاموں کی روح اور قبولیت اعمال کا دار ومدار ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"عن ابی ذر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلم آیة لو اخذ الناس بھا لکفتھم۔"

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کرلیں تو ان کے دین ودنیا کے لیے وہی کافی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا﴾ (الآیة)

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ اس کیلئے راستہ نکال دیتے ہیں۔ (معارف القرآن ص: ج 2 بحوالہ = مسند احمد)

بقیہ...... اس کٹھن رستے پر چلنا......

اور مدافعانہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے بلکہ اسے رد کرتے ہوئے اس پر فکری وعلمی تنقید کر کے اسے ناقص اور انسانیت کے لیے مضر ثابت کیا جائے۔ اس سے بالواسطہ یہ فائدہ بھی ہوگا کہ نوجوان مسلم نسل اپنے ماضی پر فخر کرنا سیکھے گی، اپنے مستقبل کے بارے میں پر امید ہو جائے گی اور اس کی ملی انا مستحکم ہوگی اور یہ تاثر پختہ ہوگا کہ ہم بھی کچھ چیز ہیں، ہماری بھی کچھ اہمیت ہے اور دنیا میں ہمارا بھی کچھ کردار ہے۔

تیز رفتار ترقی

دراصل جس چیز کی مسلم امت کو ضرورت ہے وہ یہ کہ کسی تصادم اور چپقلش میں پڑنے کے بجائے اسے موقع ملے کہ وہ خاموشی سے مسلم عوام کی ترقی اور بہبود کے لیے تیز رفتار اقدامات کر سکے، جس کی اساس صحیح اسلامی تعلیم وتربیت ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلم معاشرے میں شرح خواندگی سو فیصد ہو جائے، غربت کا خاتمہ ہو، سیاسی نظام مستحکم ہو، سماجی اقدار پر عمل ہو اور معاشی نظام کو یہودیوں کے زیر تسلط عالمی مالیاتی اداروں کے چنگل اور قرض کی مصیبت سے چھٹکارا دلایا جائے۔

یہ وہ رہنما خطوط ہیں جن پر عمل کر کے نہ صرف معاشرے کو مغربیت اور جدیدیت کے تباہ کن سیلاب سے بچایا جا سکتا ہے، بلکہ مسلم امت کو اسلامی تناظر میں دنیاوی ترقی اور غلبہ وعروج کی سمت میں بھی متحرک کیا جا سکتا ہے۔

محمد قیصر حسین ندوی

حصول علم میں فنائیت کا ایک مثالی نمونہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے روز ازل ہی سے علم کو صبر وشکر، جدو جہد وجفاکشی، عزم وحوصلہ، بلند ہمتی، دنیا سے بے رغبتی زندگی کی سادگی معیشت کی تنگی، راتوں کی بیداری، طلب کی بے انتہا خواہش، دعا وانابت الی اللہ، اس کے لیے سفر، اس کے مراجع ومصادر، ائمہ وماہرین فن کی تلاش وجستجو ان کے لیے تواضع وانکساری، فضل وکمال کا اعتراف اور ان کے شکر سے مربوط کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء سلف، عبقری اسلامی شخصیات، محدثین عظام اور فقہاء کرام نے ایک ایک حدیث ایک ایک مسئلہ ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف کے لیے ہزارہا ہزارہا میل کا سفر کیا، مشقتیں جھیلیں، پریشانیاں اٹھائیں اور مصیبتوں کا شکار اور معاشی تنگی سے دوچار ہو کر اپنے بدن کے کپڑے تک بیچنے پر مجبور ہوئے۔ راتوں کی نیند کو حرام کیا، حصول علم کے لیے ناقابل یقین حیلے اور تدبیریں اختیار کیں، ان کے علمی اسفار کے ناقابل فہم اور نادر حوادث و واقعات سے اسلامی سیرت وسوانح کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان کتابوں کا ہمیشہ سے تعلیم وتربیت ہمت وارادہ کی بلندی عزم وحوصلہ کی پختگی، مقاصد کی رفعت، نیتوں میں خلوص، خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے، اخلاق وسلوک کو سنوارنے تعلیمی میدان کی رکاوٹوں اور پریشانیوں پر قابو پانے، قناعت وکفایت شعاری پر آمادہ کرنے طلبا میں جوش ولولہ حماس ونشاط کی نئی روح پھونکنے میں مؤثر ونمایاں رول رہا ہے اسی وجہ سے حضرت مولانا علی میاںؒ اپنی خاص علمی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر طالب علم اور استاد کو علماء سلف ونابغہ علماء کا سال میں دوبار (اختتام وابتداء میں) پڑھنا نہایت ضروری ہے۔

انہی نابغۂ روزگار شخصیات میں ایک مثالی شخصیت امام حافظ شیخ الاسلام ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد اندلسی کی ہے جو 201 ہجری میں پیدا ہوئے اور 276 ہجری میں دار فنا سے دار بقا رحلت فرما گئے۔

ڈاکٹر محمد فواد سزکین اپنی کتاب تاریخ التراث العربی ص/238 پر رقم طراز ہیں کہ بقی بن مخلد قرطبی نے طلب علم میں مصر شام، حجاز، بغداد کا دوبار سفر کیا، پہلا مرحلہ چودہ سال اور دوسرا بیس سال پر مشتمل ہے۔ ان کا سارا سفر اندلس سے پیدل ہی ہوا جیسا کہ خود انہوں نے صراحت کی ہی کہ میں نے ہر عالم سے پیدل سفر کر کے علم حاصل کیا۔ ان کے شاگرد ابو عبد الرحمٰن بن محمد کہتے ہیں کہ بقی لمبے قد کے تھے۔ پیدل چلنے پر قوی تھے۔ ان کو کبھی کسی سواری پر سوار نہیں دیکھا گیا۔ منکسر المزاج تھے جنازہ میں پابندی سے حاضر ہوتے (تذکرة الحفاظ 2/630 والسیر 13/291)

علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ حافظ امام شیخ الاسلام بقی بن مخلد اندلسی نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم لوگ جس طرح علم حاصل کر رہے ہو اس طرح علم حاصل نہیں کیا جاتا کہ جب کوئی کام نہیں ہے تو جلد علم حاصل کرلیں، دوران طالب علمی میرے اوپر کئی کئی دن ایسے گزر جاتے تھے کہ مجھے بند گوبھی کے پھینکے ہوئے پتوں کے علاوہ کچھ کھانے کو نہیں ملتا تھا اور میں کاغذ خریدنے کے لیے اپنے کپڑے تک بیچنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

انہوں نے بیس سال کی عمر میں پیدل بغداد کا سفر کیا ان کا مقصد صرف امام احمد بن حنبلؒ سے ملاقات اور علم حاصل کرنا تھا اور وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد سے قریب ہوا تو مجھے امام احمد بن حنبلؒ کا مسئلہ خلق قرآن کی آزمائش وابتداء میں مبتلا ہونے کی خبر ملی اور معلوم ہوا کہ ان پر قدغن لگی ہوئی ہے نہ ان سے مل سکتے ہیں اور حدیث سن سکتے ہیں۔

اس خبر سے مجھے شدید صدمہ پہنچا، میں بغداد ہی میں ٹھہر گیا اور جامع مسجد کے حلقہ درس میں بیٹھنے اور علماء کا علمی مذاکرہ سننے کی نیت سے حاضر ہوا ایک علمی حلقہ میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک شخص لوگوں کے احوال بیان کررہا ہے کسی کو ضعیف بتارہا ہے اور کسی کو ثقہ، میں نے اپنے قریب بیٹھے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ یحیٰ بن معین ہیں، میں نے ان سے کہا میں ایک غریب الوطن ہوں، آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں انہوں نے اجازت دیدی تو میں نے بعض ان محدثین کے بارے میں پوچھا جن سے ہماری ملاقات ہوئی تھی ، انہوں نے بعض کی جرح کی اور بعض کی تعدیل، اخیر میں میں نے ہشام بن عمار کے بارے میں پوچھا (میں نے ان سے بہت زیادہ حدیثیں روائت کی ہیں) تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوالولید ہشام بن عمار نمازی تھے دمشق کے رہنے والے ثقہ بلکہ فوق الثقہ تھے۔

اگر ان میں تکبر اور گھمنڈ بھی ہوتا تو ان کے خیر اور فضل وکمال کی وجہ سے ان کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا، پھر حلقہ والوں نے چیخنا شروع کردیا کہ اب آپ سوال مت کیجئے دوسروں کو بھی سوال کرنا ہے۔ میں نے کھڑے کھڑے ان سے کہا کہ صرف ایک آدمی یعنی احمد بن حنبلؒ کے احوال بیان فرمادیجئے، یہ سن کر حضرت یحیٰ بن معین نے متعجب خیز انداز میں مجھے گھورتے ہوئے کہا کہ مجھ جیسا امام احمد بن حنبل کے احوال کیا بیان کرے گا؟ وہ مسلمانوں کے امام، ان میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ فضل وکمال والے ہیں۔

پھر میں امام احمد بن حنبلؒ کے گھر کا پتہ پوچھتا ہوا وہاں سے نکلا اور ان کے دروازے کو کھٹکھٹایا تو انہوں نے دروازہ کھولا، میں نے عرض کیا حضرت میں ایک غریب الوطن اجنبی ہوں، اس شہر میں پہلی بار حاضر ہوا ہوں، میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طالب اور سنت نبوی کا جامع ہوں میں نے صرف آپ کا نیاز حاصل کرنے کے لیے سفر کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا، اندر آجاؤ خیال رکھنا کہ تم پر کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے" پھر انہوں نے پوچھا کہ

کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا "مغرب اقصیٰ کا" پھر پوچھا "افریقہ؟ میں نے جواب دیا کہ "افریقہ سے بھی بہت زیادہ دور اندلس کا رہنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یقیناً تمہارا ملک بہت دور ہے اور تم جیسوں کے حصول مقصود ومطلوب پر اچھی طرح مدد کرنا میری ترجیحات اور مرغوبات میں سے ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ میں اس وقت ابتلاء وآزمائش کے دور سے گزر رہا ہوں۔ شاید اس کی اطلاع تمہیں بھی ملی ہوگی۔ میں نے کہا "کیوں نہیں؟ مجھے اس حال میں اطلاع ملی کہ میں آپ کے شہر کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پھر میں نے کہا کہ "حضرت میں یہاں پہلی بار آیا ہوں اور مجھے یہاں کوئی جانتا پہچانتا نہیں ہے، اگر آپ مجھے اجازت دیدیں تو میں روز آپ کے پاس ایک بھکاری کے بھیس میں آؤں گا اور دروازے پر بھکاریوں کی طرح آواز لگاؤں گا اور آپ دروازے کے پاس آکر صرف ایک حدیث سنادیں گے۔ یہ میرے لیے کافی ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ٹھیک ہے ، میں ایسا ہی کروں گا لیکن بشرطیکہ تم کسی حلقہ درس میں نظر نہیں آؤ گے اور نہ کسی محدث سے ملو گے" میں نے کہا کہ آپ کی شرط مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد میں اپنے ہاتھ میں ایک لاٹھی لیتا تھا سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا لپیٹتا تھا اور اپنی آستین میں کاغذ اور دوات رکھتا تھا اور آواز لگاتا ہوا ان کے دروازے کے پاس پہنچ جاتا تھا کہ اللہ کے نام پر کچھ دے کر ثواب دارین حاصل کرو۔ حضرت امام صاحبؒ آواز سن کر نکلتے تھے اور مجھے گھر کے اندر داخل فرماکر دروازہ بند کرلیتے تھے اور مجھے کبھی دو کبھی تین اور کبھی اس سے بھی زیادہ حدیثیں سنادیتے تھے۔ اس طرح میرے پاس تقریباً تین سو حدیثیں جمع ہوگئیں۔ میں اسی طرح حدیثیں جمع کرتا رہا حتیٰ کہ حاکم وقت کا انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ ایک ایسا آدمی خلیفہ ہوا جو اہل سنت والجماعت کے مسلک پر تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ کی آزمائش ختم ہوگئی اور وہ سامنے آئے ان کا مقام ومرتبہ لوگوں کی نگاہ میں بہت بلند ہوگیا۔ لوگ ان کے پاس دور دراز ملکوں سے حدیث سیکھنے آنے لگے۔ وہ عملی میدان میں میرے صبر

وتحمل، محنت ولگن، جفاکشی ومشقت سے خوب واقف تھے۔ میں جب بھی ان کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا وہ مجھے جگہ دیتے اپنے سے قریب کرتے اور محدثین سے فرماتے ، حقیقت میں یہ طالب علم ہیں پھر ان کے سامنے میرا قصہ بیان فرماتے، مجھے حدیث دیتے اس کو میرے سامنے پڑھتے اور میں ان کے سامنے پڑھتا۔

ایک بار میں بیمار ہوگیا تو انہوں نے مجھے اپنے حلقہ درس میں نہیں دیکھا میرے بارے میں پوچھا ان کو بتایا گیا کہ میں بیمار ہوں۔ فوراً اپنے شاگردوں کے ساتھ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں لیٹا ہوا تھا اور میرے سرہانے میری کتابیں تھیں۔ میں لوگوں سے کہتے ہوئے سن رہا تھا کہ ان کو بتاؤ کہ مسلمانوں کے امام آپ کی عیادت کے لیے تشریف لارہے ہیں۔ امام صاحب تشریف لائے اور میرے سرہانے بیٹھ گئے۔ مکان لوگوں سے کھچا کھچ بھر چکا تھا بلکہ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک جماعت کھڑی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں قلم تھے، امام صاحب نے صرف اتنا فرمایا کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالی کے ثواب کی بشارت ہو اور صحت وعافیت نصیب ہو۔ لوگ ان کے کلمات لکھ رہے تھے جب وہ واپس چلے گئے تو مکان والے میرے پاس آئے اور محبت واکرام کا معاملہ کرنے لگے اور بغیر کسی معاوضہ کے میری خدمت میں لگ گئے۔ کوئی بستر لایا کوئی کوئی عمدہ قسم کا کھانا لایا، کوئی لحاف لایا غرض یہ کہ میرے گھر والوں سے بس زیادہ میری تیمارداری وخدمت کرنے لگے۔ کاش ہم لوگوں کو بھی ان حضرات کی طرح محنت ومشقت برداشت کرنے، مصیبتوں اور پریشانیوں کو جھیلنے اور راہ علم کی رکاوٹوں اور دشواریوں پر قابو پانے کی توفیق ملتی!

☆☆☆

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی انتہائی کم (فی شمارہ صرف دس روپے اور سالانہ خریداری ۱۰۰/روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔

آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کے لئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

نیل کو بحکم عمر سن کر پسینہ آگیا ریت کے ذرے تکمیل کر ہو گئے سب آب آب

یہ مال نہ عمر کا ہے نہ عمر کے باپ کا: امیرا لمومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی راہب کے تحریری وثیقہ پیش کرنے پر یہ بات فرمائی، بیت المقدس فتح ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی قیادت میں کئی ماہ جاری رکھا تھا، پھر سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی پہنچ گئے تھے۔ وہاں کے رہنے والوں نے تنگ آکر مسلمانوں کے امیر لشکر کو پیغام بھیجا تھا کہ "بیت المقدس کو جو شخص فتح کرے گا ہم اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اس کی نشانیاں، اس کا حلیہ ہماری آسمانی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، ہاں! اگر تم وہ شخص ہمیں دکھا دو اور ہم اسے اپنی کتابوں کے مطابق پہچان لیں تو بغیر لڑائی کے شہر تمہارے حوالے کر دیں گے۔ نائب رسول، مراد رسول، امیر المومنین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بات پہنچائی گئی۔ انہوں نے سوچا اور مشورہ کیا کہ اگر خون خرابے اور قتل مشرکین کے بغیر اس مقدس شہر پر اسلام کا پرچم لہرا سکتا ہے تو سفر کی صعوبتیں مجھے گوارا ہیں...... الختصر آنجناب پہنچے، مشرکین اہل کتاب نے اپنی کتاب میں درج تمام علامتیں ان میں موجود پائیں تو کہنے لگے "ہذا ھو" یہ وہی تو ہیں اور شہر پناہ کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔ اسی واقعہ کے کچھ بعد عیسائی راہب عالم ان کے پاس آیا اور ان کی خدمت میں ان کے پاس ایک تحریر پیش کی، اس تحریر کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ فرمایا جو اوپر درج کیا ہے کہ

"یہ مال نہ عمر کا ہے نہ عمر کے باپ کا۔

ساتھ بیٹھے لوگ حیرت میں گم تھے اور ابن خطاب کے تو بیسیوں واقعات ہیں جو اہل علم و فہم ساتھیوں کو حیرت زدہ کر دیا کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "عمر کو کچھ نہ کہو، یہ اپنی حیرت اور استعجاب میں ڈالنے والی ہر بات کا جواب رکھتے ہیں۔" حاضرین کی حیرانی پر امیر المومنین نے پورا واقعہ انہیں سنا دیا۔ ابن عساکر اور دینوری نے لکھا ہے کہ جسے ازالۃ الخفا میں نقل کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا کہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ قبل از اسلام ملک شام گیا، قافلہ واپس روانہ ہوا، مگر میری کوئی ضروری چیز رہ گئی تھی میں اسے لینے چلا گیا۔ قافلہ جا چکا تھا، مجھے ایک پادری اپنے ساتھ گرجا میں لے گیا اور پردیسی سمجھ کر ایک پھاوڑا اور ٹوکری میرے حوالے کی اور مٹی کا ایک ڈھیر دوسری جگہ ڈالنے کا حکم دیا۔ وہ گرجا کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ (میں کوئی اس کا غلام تو تھا نہیں) جب وہ دوپہر کو واپس آیا تو مٹی وہیں کی وہیں پڑی تھی۔ اس نے غصے میں میرے سر پر مکا مارا، جواب میں میں نے اس کے سر پر پھاوڑا مار دیا، جس سے اس کا بھیجا نکل آیا۔ میں وہاں سے چل دیا بقیہ دن اور ساری رات چلتا رہا۔ اگلی صبح ایک گرجا گھر کے سامنے آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ وہاں موجود شخص اندر سے نکلا، اس نے مجھے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا، میرے لیے کھانا اور پانی لایا، پھر کہنے لگا "اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج روئے زمین پر مجھ سے بڑا عالم کتب ربانی موجود نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص ہیں جو ہمیں اس گرجا سے نکالیں گے۔ آپ اس گرجا کو میرے نام واگزار کر دیجئے۔ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے۔ میں نے کہا آپ نے مجھے کھانا کھلایا ہے، مجھ پر احسان کیا ہے۔ آپ میرے ساتھ مذاق نہ کیجئے، مگر وہ نہ مانا، آخر میں نے اسے یہ تحریر لکھ دی۔ آج اسی تحریر کو لے کر یہ حاضر ہوا ہے کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے، تو میں نے جواب دیا ہے، یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا میں تجھ کو کیسے دے سکتا ہوں؟"

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قریش مکہ کی زائد از دو درجن شاخوں میں سے عدی بن کعب کی اولا میں سے اپنے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید رضی اللہ کے ساتھ عشرہ مبشرہ کی سعادت وبشارت سے سعادت مند ہوئے۔ آٹھویں پشت میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جد بن جاتے ہیں، بخاری شریف میں ہے کہ وہ ایک دن ایک بت خانے میں سو رہے تھے کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی تو بت کے اندر سے آواز آئی۔

اے جلیح! ایک فصیح البیان کہتا ہے لا الہ الا اللہ" یہ آواز سن کر لوگ تو بھاگ گئے، مگر میں کھڑا رہا، دوسری بار پھر وہی آواز آئی، اس کے کچھ دن بعد چرچا ہوا کہ یہ نبی ہیں، کچھ دنوں بعد ہی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم کعبہ میں دوران نماز سورۃ الحاقہ پڑھتے سنا، جس میں قیامت اور حشر نشر کا موثر بیان ہے، دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ فرماتے ہیں وقع الاسلام فی قلبی کل موقع اسلام پوری طرح میرے دل میں بیٹھ گیا۔ مگر بقول محاورہ "سچ پکے سو میٹھا ہو" اسلام کا اعلان نہیں کیا۔ اس کے بعد سرداران قریش ابو جہل وغیرہ نے دارالندوہ میں میٹنگ بلائی کہ اس نئے مذہب اور اس میں داخل ہونے والے لوگوں کا کیا کیا جائے؟ طے یہ ہوا کہ داعی اسلام، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاتمہ کر دیا جائے، مگر اس مشکل قرارداد پر عمل کی کیا صورت ہو؟ اُدھر دو دن پہلے بارگاہ الٰہی میں خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھ عزت اسلام کے لئے ابن خطاب کی نشان دہی کر چکے تھے، اب خطاب کا بیٹا نہایت درجہ اعتماد کے ساتھ اٹھا اور کہنے لگا "یہ بڑا کام میرے ذمہ لگا دو۔" سرداروں نے بہ نظر تحسین دیکھا اور کہا کہ ہاں اس جبل عزیمت کو سر کرنا تمہارے ہی جیسے جوان کے مقدر میں ہے۔ عمر بن خطاب اٹھے اور سید الانبیاء کے گھر کا رخ کیا، مگر چند ہی قدم پر ایک دوسرے نوجوان نعیم بن عبداللہ نے کانٹا بدل دیا۔ "عمر! پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہارے بہنوئی اور بہن کلمہ توحید پڑھ چکے ہیں۔" بہن کے گھر پہنچے۔ بہنوئی کو مارا بہن آڑے آگئی "عمر تو خطاب کا بیٹا ہے تو میں بھی اسی خطاب کی لخت جگر ہوں، ہماری جان جا سکتی ہے۔ ہم ایمان نہیں چھوڑ سکتے" علامہ اقبال نے کیا خوب کہا۔

تو میدانی کہ سوز قرأت تو
دگر گوں کرد تقدیر عمر را

سیدہ فاطمہ بنت خطاب چند لمحے پہلے سورۃ طٰہٰ کی تلاوت سیکھ رہی تھیں۔ ابتدائی آیات تھیں، سیدنا عمر کی نظر ان آیات مقدسہ پر پڑی تو وہاں لکھا تھا (**اننی انا لا الٰہ الا انا فاعبدنی**) بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الٰہ کوئی مالک ومختار کوئی معبود و مسجود و مقصود نہیں، میری بندگی کر لے۔" سورہ حدید میں اللہ نے لوہے کی تعریف کی ہے، اگر لوہا خالص ہو تو مقناطیس اسے کھینچ لیتا ہے۔ نبی کی دعا، بہن کی دعوت اور آیات کریمہ کی گرفت نے ابن خطاب کے دل و دماغ کو کسی دوسرے کا نہ رہنے دیا تھا۔ قدموں کو اٹھانا محال ہو گیا تھا، مگر گرتے پڑتے مدرسہ حق، دار ارقم، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچے۔ غلامی کا اعلان کیا۔ سرور دو عالم نے تکبیر بلند فرمائی جس کی تائید میں چالیس نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے۔ مشرک سرداران قریش کس خوش خبری کے انتظار میں تھے، ان پر عالم سوگ طاری ہو گیا۔ حمزہ و عمر کی قیادت اور خاتم المعصومین کی نگرانی میں چالیس اہل توحید نے پہلی بار حرم کعبہ میں باجماعت نماز ادا کی۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد حرم کعبہ کے متصل مکہ مکرمہ کے بڑے پہاڑ پر کھڑے ہو کر نعرہ توحید بلند کر کے اپنے اسلام کا اعلان کیا کہ جن لوگوں تک ابھی ابن خطاب کے اسلام کی اطلاع نہیں پہنچی ان کو بھی پتا چل جائے، اس بڑے پہاڑ کا نام اسی دن سے جبل عمر ہو گیا۔

سیدنا عمر داخل اسلام ہوئے تو چالیسویں نمبر پر تھے۔ دینی خدمات اور فیض صحبت رسول میں قدم بڑھاتے رہے تو سوائے بلا فصل خلیفہ رسول، سیدنا ابو بکر کے سب صحابہ سے آگے بڑھ گئے، یعنی ثانی رسول کے ثانی بن گئے، سیدہ طاہرہ ام المومنین عائشہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! آج رات بہت تاریک ہے، بے شمار ستارے چھوٹے بڑے نظر آ رہے ہیں اور بے شمار ایسے بھی ہیں جو نظر نہیں آ رہے۔

((بقیہ...... صفحہ ...... ۱۵ ...... پر

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

اس کٹھن رستے پر چلنا بھی ضروری ہے مگر......

انسانی تاریخ کا یہ المیہ بہت بڑا المیہ اور خسارہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اسلام اور اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں رہی ہیں اور اس کے بڑھتے قدم کو روکنے کی ہر ممکن کوشش اور اس کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی رہی ہے۔ دراصل اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اس کی تعلیمات فطری ہیں جو بنی نوع انسان کی تمام ضروریات کا مکمل تکفل کرتی ہیں اور تمام شعبہ ہائے حیات میں مشعل راہ ثابت ہوتی ہیں اور یہ محض دعوی نہیں بلکہ اس کی عملی شہادت بھی تاریخ میں موجود ہے، جو صحیح عقل وفہم اور سلیم الطبع اہل علم حضرات پر مخفی نہیں ہے اسلام کا یہی امتیاز اور خصوصیت ہر دور اور ہر زمانہ میں دشمنان اسلام کی آنکھوں کا کانٹا بنا رہا لہٰذا اس مذہب کو مٹانے اور اس کو فرسودہ باور کرانے کے لیے ہر دور میں اس کے خلاف سازشیں رچی گئیں اور بڑے منظم اور منصوبہ بند طریقہ سے اسلامی تعلیمات کو انسانیت کی ترقی میں رکاوٹ اور نہ جانے اسی انداز کے کن کن القاب وخطابات سے نوازا گیا۔ لیکن اسلام کے بڑھتے قدم کو روکا نہیں جاسکا، اسلام کا یہ کاروان وعزیمت آگے ہی بڑھتا رہا۔

امت مسلمہ علمی، تہذیبی، سماجی، معاشی، دفاعی اور سیاسی شعبوں میں اپنی برتری ایک ہزار سال تک برقرار رکھنے کے بعد جب زوال پذیر ہوئی تو اس کے دو بنیادی اسباب تھے۔ ایک اس کی اپنے نظریہ حیات سے مستحکم وابستگی میں کمزوریاں در آئیں اور دوسرے اس کی حریف صلیبی اور یہودی قوتوں کی سازشیں، جنہوں نے نہ صرف مسلم معاشرے کو مغلوب کیا، بلکہ اس پر قبضہ کر کے اسے اپنے فکر ونظر کے مطابق قوت سے بدل ڈالا تاکہ مسلمان آئندہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں اور ہمیشہ ان کے غلام رہیں، استعماری طاقتیں اپنے اس منصوبہ میں بڑی حد تک کامیاب ہوگئیں اور مسلمانوں کی عملی کمزوری سے انہوں نے فائدہ اٹھا کر اپنے نظریہ اور فکر کی ترویج کی دینی مزاج اور صحیح الفکر افراد اور جماعتوں نے اس دام ہمرنگ زمین کو سمجھنے اور امت مسلمہ کو سمجھانے کی کوششیں اور اس سے ممکنہ حد تک بچنے کی تدابیر بھی اختیار کر کے امت کو اس سے روشناس کرایا، لیکن مغرب کا یہ ریلا اتنی تیزی سے آیا کہ تمام تر کوشش اور جد وجہد بےکار تو نہیں البتہ کم اثر ثابت ہوئیں۔

اہل مغرب نے ایک حکمت عملی تو یہ اپنائی کہ مسلم ممالک کو آزادی دیتے وقت وہاں اقتدار اپنے تربیت یافتہ آدمیوں کے سپرد کر دیا، پھر اپنا سیاسی اثر باقی رکھنے کے لئے پرامن ذرائع سے (جیسے میڈیا اور جدید تعلیم وتربیت وغیرہ) مسلم اجتماعی اداروں کی تشکیل اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں کیں اور ان کوششوں میں انہیں عموماً کامیابی ملی۔ اس کے باوجود بعض مسلم ممالک اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں کامیاب ہوگئے اور مغرب کی خواہشات کے برعکس اپنی پالیسیاں خودمختاری سے وضع کرنے کی کوشش کرنے لگے، جیسے پاکستان، عراق، افغانستان، ملائیشیا، ترکی اور ایران وغیرہ۔

سرد جنگ کے خاتمے اور روس کے ٹوٹ جانے کے نتیجے میں امریکہ دنیا کی سپر پاور کے طور پر ابھرا اور اسے من مانی سے روکنے کے لئے کوئی طاقت موجود نہ رہی۔ دوسری طرف بعض مسلم ممالک کے کچھ ترقی کرنے اور اپنی مرضی چلانے کے نتیجے میں بعض مغربی مفکرین نے تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کیا۔ کیونکہ ان کی رائے میں مذہبی اختلافات اور دیگر مسائل اب ثانوی حیثیت اختیار کر چکے ہیں ("تہذیبی" تصادم کی بات انہوں نے اس لیے کی کہ "مذہب" کو اہل مغرب رد کر چکے ہیں اور اس کی جگہ ان کے ہاں "تہذیب" لے چکی ہے) اور انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام ہی اب ایک ایسی بڑی

نظریاتی قوت ہے کہ جس کے مغربی فکر وتہذیب کے مد مقابل آنے کا امکان ہے۔ پھر ان کی نظریں اسلام، مسلم معاشروں اور خصوصاً ان جماعتوں اور تحریکوں پر پڑتی ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کی متمنی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کیا اور دنیا کی بدقسمتی یہ کہ پچھلے کئی سالوں سے امریکی اقتدار پر قابض حکمراں جماعت نے اسے قبول کر لیا۔ چنانچہ پرامن ذرائع سے مسلم ممالک کو قابو میں رکھنے کی پالیسی ترک کر کے امریکہ نے یورپ اور اقوام متحدہ کو ساتھ ملا کر اور جہاں انہوں نے ساتھ نہ دیا وہاں اکیلے ہی اپنی فوجی قوت سے مسلم ممالک پر چڑھائی کردی۔ اس نے افغانستان اور عراق کو تباہ وبرباد کر دیا اور ایران اور پاکستان کو روندنے کے حیلے بہانے تلاش کیے جا رہے ہیں اور اور دباؤ بڑھایا جا رہا ہے۔

ان حالات میں کہ اسلامی فکر وتہذیب کی بقا واستحکام خطرے میں ہے اور مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ واستیلا جاری ہے اور مسلم دینی عناصر کی اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے بنائی جانے والی پالیسیاں ناکام ہو چکی ہیں یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ اس معاملے پر از سر نو غور کیا جائے اور اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے نئی حکمت عملی وضع کی جائے۔

تعلیم وتربیت اور میڈیا

تعلیم ایک خاموش انقلاب لاتی ہے اس کے لیے نعروں کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے لیے کسی اسلحے اور ایٹم بم کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے حکومتی امداد کی ضرورت نہیں۔ مقامی مسلم آبادی کو متحرک کیا جائے اور انہیں تعلیم وتربیت کی اہمیت بتائی جائے تو یقیناً اتنے وسائل مہیا کیے جاسکتے ہیں کہ جن سے مقامی اسکول وکالج کو چلایا جاسکے۔ ہاں اس کی ضمانت دینا ہوگی کہ اس اسکول کا نصاب مغربی تعلیم کا چربہ نہ ہو، بلکہ آزاد مسلم سوچ کا نتیجہ ہو، یہ نصاب اسلامی نظریہ علم اور اسلامی کلچر پر مبنی ہو۔ مغرب کے تعلیمی تجربات کو سامنے ضرور رکھا جائے لیکن ان کی اندھی پیروی نہ کی جائے۔ سائنس وٹیکنالوجی کے اداروں کے لیے چونکہ بھاری فنڈ درکار ہوتے ہیں۔ جو حکومتوں ہی کے بس میں ہوتے ہیں اس لیے مجوزہ تعلیمی اداروں میں سوشل سائنس یا عمرانی علوم پر توجہ مرکوز کی جائے۔ ان اسکولوں میں مسلم طلبہ وطالبات کو نہ صرف صحیح خطوط پر تعلیم دی جائے بلکہ ان کی تربیت بھی کی جائے۔ یعنی تعمیر سیرت اور کردار سازی اس کا لازمی حصہ اور نتیجہ ہو اس سے بڑی تعداد میں ایسے افراد تیار ہونا شروع ہو جائیں گے جو اپنی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہوں گے اور وہ اسلامی اقدار کے پشتیبان ہوں گے۔ یہ لوگ زندگی میں جہاں بھی جائیں گے مثبت انداز میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے۔ وہ اگر اجتماعی اداروں کی تشکیل میں حصہ لیں گے تو ان کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھیں گے اور جہاں ضروری ہوگا مغربی تجربات سے استفادہ بھی کر لیں گے، یہ کام مسلم معاشرے میں وسیع پیانے پر کیا جائے تو اس سے اسلامی فکر وتہذیب کو یقیناً فروغ حاصل ہوگا اس کا تشخص بحال ہوگا اور مسلم معاشرہ بحیثیت مجموعی مستحکم ہوگا۔

فرد پر توجہ

معاشرہ چونکہ افراد ہی سے مل کر بنتا ہے لہٰذا اگر فرد کی صحیح تعلیم وتربیت کا فعال اور موثر نظام وضع ہو جائے تو معاشرے کے سدھرنے اور صحیح سمت میں اس کی پیش رفت کے امکانات غالب ہو جائیں گی۔ معاشرے کی ترقی اور عروج کے لیے فرد کی اصلاح اور ترقی نہ صرف فطری اصول کے عین مطابق ہے، بلکہ یہ اسلامی اصول کے مطابق بھی ہے۔

فکری جارحیت

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو فکری لحاظ سے کسی دست گیری کی ضرورت نہیں۔ ہمارے دینی مآخذ (قرآن وسنت) الحمد للہ محفوظ ومامون ہیں،، اسی لیے مسلمانوں کا سماجی ڈھانچہ مغربی تسلط کے باوجود ابھی تک قائم ہے۔ لہٰذا ہم اب بھی مغرب کو بہت کچھ دینے کے قابل ہیں جیسے مستحکم خاندانی نظام، پرسکون زندگی، اعلیٰ اقدار، اطمینان ذہن وقلب وغیرہ۔ لہٰذا مسلمانوں کو مغرب سے فکری مرعوبیت کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

(بقیہ......صفحہ......۲۲......پر)

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س : تمباکو کی تجارت حرام ہے یا مکروہ اگر مکروہ ہے تو پھر اس کی آمدنی سے طلب علم جائز ہے یا نہیں؟

ج : تمباکو کو بعض علماء نے حرام قرار دیا ہے۔ بعض اسے مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اس لئے کہ نئی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ اس کے زہریلے اثرات سے انسان کو کینسر اور امراض قلب لاحق ہوجاتے ہیں۔ اس طرح گویا وہ ایسا زہر ہے جو فوری اثر نہیں کرتا لیکن آہستہ آہستہ نازک اعضاء کو گلا ڈالتا ہے۔ البتہ ہندوستان کے علماء بجائے حرام یا مکروہ تحریمی کے عام طور سے اسے خلاف اولیٰ قرار دیتے ہیں، جہاں تک تعلق ہے اس کی تجارت کا تو جو تمباکو کے استعمال کا ہے وہی اس کی تجارت کا بھی ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس کی تجارت نہ کی جائے، لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ کسی طالب علم کو خرچ اسی کی آمدنی سے حاصل ہورہا ہے اس سے بچے تو حصول علم سے محروم ہوجائے گا تو وہ علماء ہند کی رائے پر عمل کرے جو اس کی تجارت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (شامی۔ ۳۲۶) امداد الفتاویٰ ۴/۱۱۶، کفایت المفتی ۹/۱۳۶)

س : بعض علاقوں میں ۲۲/رجب کو کونڈے کا رواج ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

ج : کونڈے کے بارے میں مولانا رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کونڈوں کی مروج رسم دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ کی وفات پر اظہار مسرت کے لئے ایجاد کی ہے۔ ۲۲/رجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے (طبری استیعاب) ۲۲/رجب کو حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں، نہ ان میں ان کی ولادت ہوئی نہ وفات، حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸/رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ کی ہے، اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے جعفر صادق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۸)

جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی اس وقت غلبہ اہلسنت کا تھا لہٰذا خفیہ طور پر مسرت کا اظہار شروع ہوا اور جب شہرت ہوئی تو حضرت جعفر صادق کیطرف جھوٹی نسبت کردی گئی۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کرکے اس سے بچانے کی کوشش کریں۔

س : شادی سے پہلے والی رات میں گھر کی عورتیں اور محلہ اور رشتہ داروں کی عورتیں مل کر گانے بجانے کے ساتھ گلگلا پکاتی ہیں اور اس کو مسجد کے طاقوں میں بھرتی ہیں، اور بھرتے ہوئے یہ کہتی ہیں، پانچ اللہ میاں کے، پانچ نبی کے، پانچ فلاں پیر کے وغیرہ تو ایسا کرنا کیا ہے؟ ۲۔ اور اگر پکاتے وقت گانا بجانا نہ کریں صرف پکائی ہوئی چیز یا مٹھائی وغیرہ طاق میں بھردیں، یا بغیر بھرے ہوئے نمازیوں کے لئے رکھدیں تو ایسا کرنا کیا ہے؟ اور ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ج : (۱) اس طرح کی رسوم جن کا باقاعدہ التزام کیا جائے، اور نہ کرنے والے کو ایک اہم چیز کا چھوڑ دینے والا سمجھا جائے۔ واجب الترک ہیں، خاص طور سے اس لئے کہ آپ نے لکھا ہے کہ اس میں باجہ اور گانا بھی ہوتا ہے، باجہ ایک مستقل حرام چیز ہے، پھر عورتوں کا گاتے ہوئے باہر نکلنا کہ غیر مردوں کے کانوں تک آوازیں جارہی ہوں، ایک گناہ کا کام ہے، پھر یہ بھی لازمی بات ہے کہ مسجد میں جب عورتوں کا جمگھٹا جائے گا تو طرح طرح کی خرافات میں لازمی طور پر مبتلا ہوگا، لہٰذا اس رسم کا ترک کرنا ضروری ہے۔

(۲) اور اگر گانا بجانا نہ بھی کریں تب بھی اس کا ترک کرنا لازم ہے۔ اس لئے کہ اس کو ایک لازمی چیز سمجھ لیا گیا ہے۔ جب کہ لازمی چیز وہی ہوسکتی ہے جس کا کتاب وسنت میں حکم دیا گیا ہو، یا جس کو فقہاء نے قیاس یا اجماع کے ذریعہ لازمی قرار دیا ہو، اور یہ رسم کسی بھی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا مختلف قسم کی خرافات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس کا ترک لازم ہے۔ اور چونکہ رکھے گلگلوں کا کھانا اس رسم کو رواج دے گا۔ لہٰذا جبراً اسکو کھانا بھی نہیں چاہئے۔ (کفایت المفتی ۹/۸۵) بہشتی زیور ۶/۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸)

س : کیا انکم ٹیکس زیادہ آنے سے بچنے کے لئے ہوم لون یا کاروباری قرض لیا جاسکتا ہے۔ نیز اگر

ضیاع وقت خودکشی ہے

سچ یہ ہے کہ وقت ضائع کرنا ایک طرح کی خودکشی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کے لیے زندگی سے محروم کردیتی ہے اور تضیع اوقات ایک محدود زمانے تک زندہ کو مردہ بنادیتی ہے۔ یہ منٹ، گھنٹہ اور دن جو غفلت اور بے کاری میں گزر جاتا ہے، اگر انسان حساب کرے تو ان کی مجموعی تعداد مہینوں بلکہ برسوں تک پہنچتی ہے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ کی عمر میں سے دس پانچ سال کم کردیے گئے تو یقیناً اس کو سخت صدمہ ہوگا لیکن وہ معطل بیٹھا ہوا خود اپنی عمر عزیز کو ضائع کررہا ہے مگر اس کے زوال پر اس کو کچھ افسوس نہیں ہوتا۔

نیز وقت ضائع کرنے میں بہت نقصان اور خسارہ ہے کہ بے کار آدمی طرح طرح کی جسمانی وروحانی عوارض میں مبتلا ہوجاتا ہے حرص وطمع، ظلم وستم، قمار بازی، زنا کاری اور شراب نوشی عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جو معطل اور بے کار رہتے ہیں۔ جب تک انسان کی طبیعت دل ودماغ، نیک اور مفید کام میں مشغول نہ ہوگا اس کا میلان ضرور بدی اور معصیت کی طرف رہے گا، پس انسان اسی وقت صحیح انسان بن سکتا ہے جب وہ اپنے وقت پر نگراں رہے، ایک لمحہ بھی فضول نہ کھوئے ہر کام کے لیے ایک وقت اور ہر وقت کے لیے ایک کام مقرر کردے۔

وقت خام مسالے کی مانند ہے جس سے آپ جو کچھ چاہیں بناسکتے ہیں وقت وہ سرمایہ ہے جو ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں عطا کیا گیا ہے جو حضرات اس سرمایہ کو مناسب موقع پر کام لاتے ہیں ان ہی کو جسمانی راحت اور روحانی مسرت نصیب ہوتی ہے وقت کے صحیح استعمال سے ایک وحشی مہذب بن جاتا ہے اس کی برکت سے جاہل عالم...... مفلس تونگر...... نادان، دانا بنتے ہیں وقت ایسی دولت ہے جو شاہ وگدا، امیر وغریب، طاقت ورکمزور سب کو یکساں ملتی ہے جو اس کی قدر کرتا ہے وہ عزت پاتا ہے، جو ناقدری کرتا ہے وہ رسوا ہوتا ہے۔

اگر آپ غور کریں گے تو نوے فیصد لوگ صحیح طور پر نہیں جانتے کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ کہاں اور کیوں صرف کرتے ہیں؟ جو شخص دونوں ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال کر وقت ضائع کرتا ہے تو وہ بہت جلد اپنے ہاتھ دوسروں کی جیب میں ڈالے گا۔

آپ کی کامیابی کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ کا وقت کبھی ضائع نہیں ہونا چاہئے سستی کی کوئی چیز نہ ہو کیوں کہ سستی رگوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جس طرح لوہے کو زنگ۔ زندہ آدمی کے لیے بے کاری زندہ درگور ہونا ہے۔

●●

بڑی فیکٹری لگاتا ہے تو اس کے لئے جو سرکاری قرض ملتا ہے۔ اس کو لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ج : آپ کے سوالات سود کے متعلق ہیں، سود کے متعلق قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ایک آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ سود کا لین دین کرنے والے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے (سورہ بقرہ) اور ایک حدیث میں اس کو ماں سے زنا کرنے کے مقابلے میں بھی زیادہ سنگین فرمایا گیا ہے۔ (العیاذ باللہ) (مشکوۃ باب المنفتی عنہا عن البیوع) اور اسی کے ہم معنی کئی آیات اور کثیر تعداد میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان نصوص کے پیش نظر شرعاً سودی معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ البتہ اضطرار اور حد درجہ کی مجبوری کی حالت میں جب کہ ہلاکت نفس کا خوف ہو جس طرح بقدر ضرورت مردار کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اسی طرح فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاج اور شدید مجبوری کی صورت میں جب کہ غیر سودی قرض ملنے کی بھی امید نہ ہو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، (البحر الرائق ۶/۱۲۶) اور صورت مسئولہ میں ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے لہٰذا سودی قرض لینا جائز نہیں ہوگا۔

س : پیتل کی انگوٹھی پہن کر نماز نہیں ہوگی یا وضو بھی نہیں ہوگا۔

ج : پیتل کی انگوٹھی پہننا مرد عورت دونوں کے لئے مکروہ ہے۔ لیکن اس کو پہن کر نماز پڑھے تو ہوجائے گی۔ اور پانی نیچے تک پہنچادے تو وضو بھی ہوجائے گا۔

ابوطاہر

اللہ سب سے بہتر منصوبہ ساز ہے

امریکی نژاد نومسلم شریفہ کارلواس کے قبول اسلام کی روداد

"آپ کے نزدیک ممکن ہے، یہ میرے قبول اسلام کی کہانی ہو، مگر میرے خیال میں یہ میری زندگی کے تجربات کا ایک مجموعہ ہے جس نے مجھے ظلم اور ظلمت سے نکال کر روشنی اور دائمی عافیت کی جنت ارضی میں داخل کردیا"۔ امریکی نژاد نومسلمہ شریفہ کارلواس اپنے قبول اسلام کی روح پرور اور ایمان افروز کہانی سنا رہی تھیں۔ انہوں نے مزید بتایا: "میں نے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے بہت سی تدابیر اختیار کیں۔ میں جس گروپ کے لیے کام کررہی تھی وہ الگ تدابیر کررہا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تدابیر اس سے مختلف تھیں اور پھر وہی کچھ ہوا جس کی تدبیر میرے اللہ نے کی تھی۔ بالآخر اللہ ہی تدبیر غالب آئی، حقیقت یہی کہ اللہ ہی سب سے بہتر منصوبہ ساز ہے۔"

"جب میں سن بلوغ کو پہنچی تو میں نے اپنے آپ کو ایسے گروہ میں گھرا ہوا پایا جس میں شامل تمام لوگوں کا ایجنڈا بیحد خطرناک تھا۔ یہ گروپ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جو مختلف سرکاری عہدیدوں پر کام کرتے تھے لیکن وہ اسلام کو بدنام کرنے اور اسے نقصان پہنچانے کا ایک خاص ایجنڈا رکھتے تھے۔ یقیناً یہ لوگ اب بھی اپنے مشن میں لگے ہوئے ہوں گے۔ یہ کوئی سرکاری گروپ نہیں تھا لیکن اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے اپنے سرکاری عہدوں اور وسائل استعمال میں لایا کرتا تھا۔

"میں اس گروپ میں کیسے آئی؟ اس سوال کا جواب مجھے اکثر دینا پڑتا ہے آپ بھی سن لیجیے۔ اس گروپ کے ایک آدمی نے مجھ تک رسائی حاصل کی تھی اسے میری صلاحیتوں کے متعلق علم تھا کہ میرے اندر دوسروں کو قائل کرنے کی زبردست صلاحیت موجود تھی۔ میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر سرگرم رہتے ہوئے اپنے بارے میں یہ تاثر قائم کرچکی تھی۔ اس شخص نے مجھے پیشکش کی کہ اگر میں بین الاقوامی تعلقات بالخصوص مشرق وسطیٰ کے حوالے سے باقاعدہ طور پر تفصیلی معلومات حاصل کرلوں اور اس مقصد کے لیے ضروری مطالعے سے بہرہ ور ہوجاؤں تو وہ مجھے مصر کے امریکی سفارت خانے میں ایک اچھی ملازمت دلائے گا۔ دراصل ان لوگوں کی خواہش تھی کہ میں اس ملک میں چلی جاؤں اور اپنے عہدے کا استعمال کرتے ہوئے وہاں کی عورتوں سے ملوں۔ اور وہاں حقوق نسواں کی جو تحریکیں چل رہی ہیں، ان کی مزید حوصلہ افزائی کروں۔

ان دنوں میرا خیال تھا کہ مصری خواتین انتہائی مجبور اور محکوم ہیں اور میرے اندر بھی یہ خواہش انگڑائی لے رہی تھی کہ میں انہیں بیسویں صدی کی آزاد زندگی سے روشناس کرواؤں۔"

میں نے کالج میں داخلہ لے لیا اور تعلیم حاصل کرنا شروع کردی اس دوران میں قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی کیا۔ میں ایسے طریقے سیکھنا شروع کردیے کہ قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ کے مطالعے کو اپنے مقاصد کی خاطر کیسے استعمال کرنا ہے؟ ان کے مطالب سے اپنا مطلب کیسے اخذ اور بیان کرنا ہے؟ دوسرے الفاظ میں مجھے قرآن وحدیث کے مطالب کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا تھا۔ یقیناً یہ ایک اعلیٰ فن تھا۔ تاہم جب میں نے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اس کے پیغام نے مجھے متاثر کرنا شروع کردیا۔ مجھے یہ دونوں چیزیں انتہائی خطرناک لگ رہی تھیں۔ لہٰذا میں نے قرآن وحدیث کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے عیسائیت کی

کلاسز میں شرکت شروع کردی۔ میں جس پروفیسر کی کلاسز میں جارہی تھی۔ اس کی شہرت اچھی تھی۔ اس نے ہارورڈ یونیورسٹی سے متھیالوجی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ میں اپنی قسمت پر ناز کررہی تھی کہ ایک اچھے پروفیسر کے ہاں زیر تربیت ہوں لیکن بعدازاں مجھے پتہ چلا کہ ایسا نہیں تھا کیوں کہ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ پروفیسر کا تعلق یونی ٹیرین عیسائیوں سے ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی اور تثلیث کے نظریے پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو افضل ترین پیغمبر مانتے تھے۔"

دوران تعلیم اس نے اپنے نظریے اور عقیدے کو سچا ثابت کرنے کے لیے یونانی، عبرانی اور دوسری زبانوں میں موجود بائبل کے مختلف ثبوت پیش کیے اس نے ثابت کیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بائبل میں تبدیلیاں کی گئی ہیں؟ اس نے تاریخی واقعات کا تذکرہ بھی کیا جن کی وجہ سے یہ تبدیلیاں کی گئی تھی۔ جب یہ کلاسز ختم ہوئیں تو میرا اپنا عقیدہ متزلزل بلکہ تباہ وبرباد ہوچکا تھا لیکن میرا ذہن اب بھی اسلام کی طرف مائل نہیں ہوا تھا۔ میں نے اپنی ذات اپنے کیریئر کی خاطر تعلیم جاری رکھی۔ اس میں تین سال لگ گئے۔ اس دوران میں، مجھے بہت سے مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ میں ان سے عقائد کے بارے میں ان سے مختلف سوالات پوچھا کرتی تھی۔ ان میں ایک مسلمان بھائی ایسے بھی تھے جنہوں نے دین اسلام میں میری دلچسپی دیکھ کر مجھے اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانے میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے، آمین، وہ مجھے دعوت اسلام دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔"

ایک روز انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور کہا کہ مسلمانوں کا ایک گروپ آپ کے شہر آرہا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ میں بھی اس گروپ سے ملاقات کروں۔ میں راضی ہوگئی اور نماز عشاء کے وقت ان لوگوں سے ملنے چلی گئی۔ مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ جس میں تقریباً بیس آدمی بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے میرے بیٹھنے کے لیے یوں جگہ بنائی کہ مجھے ایک بزرگ کے سامنے بٹھلا دیا جس کا تعلق پاکستان سے تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ انہیں عیسائیت کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل تھیں۔ میں نے ان سے قرآن اور بائبل کے بارے میں گفتگو کی۔ یہ گفتگو چلتی رہی حتیٰ کہ پوری رات گزر گئی اور فجر کا وقت ہوگیا۔ انہوں نے مجھے ان تمام معلومات سے دوبارہ آگاہ کردیا جو میں عیسائیت کی کلاسز میں پڑھی تھی۔ گفتگو کے اختتام پر انہوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دے دی۔ میں تین سال سے اسلام پر تحقیق کررہی تھی۔ لیکن کسی نے مجھے اسلام قبول کرنے کو نہیں کہا تھا جب انہوں نے مجھے یہ پیشکش کی تو مجھے احساس ہوا کہ کوئی فیصلہ کن تدبیر اختیار کرنے کا یہی موقع ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے میرا سینہ کھول دیا اور میں نے اقرار کرلیا کہ میں فی الواقع مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دردمندانہ دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلائے اور حق کی منزل تک پہنچنے کے لیے شرح صدر ودیعت فرمادے۔ آمین۔"

"جب اس بزرگ نے پیشکش کی اور میری طرف سے واضح طور پر رضامندی ظاہر کردی گئی تو انہوں نے مجھے عربی اور انگریزی میں کلمہ شہادت پڑھایا۔ میں اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جب میں نے کلمہ شہادت پڑھا تو مجھے یوں لگا جیسے میرے سینے پر سے بھاری بوجھ ہٹ گیا ہے۔ میں نے ایک طویل سانس لی۔

جیسے میں زندگی میں پہلی بار سانس لے رہی ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک نئی زندگی سے روشناس کرایا۔ بالکل صاف ستھری زندگی اور آخرت میں جنت حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ میری باقی ماندہ زندگی ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے گزارنے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین۔"

اب میں اپنے مسلمان اور انسان بھائیوں اور بہنوں سے اپنے مطالعے کے

حوالے سے کچھ عرض کروں گی۔ سب سے پہلے میں اس سوال کا جواب ان کی خدمت میں پیش کروں گی جو میرے بھی ذہن میں کلبلاتا رہا اور بالآخر مجھے حق کی منزل تک پہنچنے کا ذریعہ بن گیا۔ وہ سوال ہے کہ دین اسلام اصل میں ہے کیا؟ اس کا جو میں جواب تلاش کرسکی ہوں وہ کچھ یوں ہے۔

"اپنی تخلیق کے پہلے دن ہی سے انسان اپنی زندگی کے مخفی گوشوں پر غور کرتا آیا ہے۔ کئی صدیوں سے یہ سوال انسانی ذہن میں گردش کرتا آرہا ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں؟ کیوں آیا ہوں؟ مجھ سے کیا توقعات وابستہ کی گئی ہیں؟ مجھے یہاں سے کہاں جانا ہے؟ اور کیا موجودہ زندگی ہے ابدی ہے؟ بعض لوگ ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے پوری زندگی صرف کردیتے ہیں جب کہ بعض لوگ انہی جوابات پر مطمئن ہوجاتے ہیں جو انہیں اس دنیا میں بعض ذرائع سے مل جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کی فطری خواہش کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

"مسلمانوں میں علم حاصل کرنے کی مضبوط روایت موجود ہے۔ بنیادی علم وہی ہوتا ہے جو ہمیں ان سوالوں کے جواب دے سکے۔ ہم جانتے ہیں سچائی تک پہنچنے کا یہی ایک راستہ ہے کہ جتنے بھی شواہد میسر آئیں، ان کا تجزیہ کریں اور ایک مقالہ تیار کریں اس طرح بالآخر ہم ایک نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ اس سارے عمل میں انسان کی بقاء کے حوالے سے جتنے بھی معمے ہمارے دل ودماغ میں گردش کرتے رہتے ہیں انہیں حل کرنے کے لیے اتنی ہی باریک بینی سے جانچ پڑتال کرنی چاہئے جتنی کہ ہم کسی ادبی نظریے یا جدید سائنس میں نیا انکشاف کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ بطور انسان یہ تحقیق دوسری ہر تحقیق کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے۔"

"اگر اگرچہ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہیں لیکن اسلام کے جوابات نہ صرف دل اور روح کو مطمئن کرتے ہیں بلکہ دماغ کو بھی حقیقت تک پہنچنے کا راستہ فراہم کردیتے ہیں۔ میرے لیے یہ بات بیحد کلیدی اور اطمینا بخش ثابت ہوئی ہے۔ ایک مسلمان تمام موجود شواہد کا تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ ایک خالق موجود ہے اور ہمیں پیدا کرنے والا خالق ایک عظیم الشان اور محبت کرنے والا خدا ہے۔ میں اپنی بات ایک مثال کے ذریعے سے واضح کرتی ہوں۔

ایک طالب علم اپنے استاد کے پاس جاتا ہے اور ایک کرسی دکھا کر کہتا ہے کہ تیز ہوا چلی اور اس کے نتیجے میں ایک درخت سے یہ کرسی خود بخود تیار ہوکر باہر آگئی۔ ہوا مختلف سمتوں سے اس درخت کو رگڑتی رہی اور آخرکار یہ کرسی بن گئی۔ یہ بات سن کر وہ استاد ضرور حیران ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس بات سے قائل نہیں ہوگا۔ اسی طریقے سے سائنسی نظریات بھی اس بات کی وضاحت نہیں کرسکتے کہ یہ دنیا اتنی مکمل کیسے ہوسکتی ہے کہ جس میں تمام نظام، مثلاً ہوا، زمین، زندگی اور انسانی جسم کے تمام اعضاء اتنے مکمل طریقے سے اپنے کام انجام دے رہے ہیں یہ تمام نظام آپس میں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کا خالق کون ہے؟ اس کے جواب میں محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ایک خالق موجود ہے بلکہ ہمیں اس خالق کو جاننے کی ضرورت ہے۔ اسے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم پہلے ایک خالق کی ضروری صفات متعین کرلیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بحیثیت انسان ہمارے اندر کچھ صلاحتیں موجود ہیں لیکن ہم کسی چیز کو تخلیق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خالق انسان نہیں ہوسکتا۔ یہ حقیقت ہمیں کئی ایسے نظریات مسترد کردینے میں مدد دیتی ہے جو اس بناء پر بنائے گئے ہیں پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی بھی چیز جو انسان سے کمتر درجے کی ہے مثلاً جانور، جو انسان کے مقابلے میں کم عقل رکھتے ہیں یا دیگر قدرتی اشیاء جو سرے سے عقل رکھتی ہی نہیں، خالق نہیں ہوسکتیں کیونکہ بہر حال ایک انسان جو صاحب عقل ہے وہ اتنا بڑا کام نہیں کرسکتا تو اس سے کمتر مخلوق یہ کام کیسے کرسکتی ہے؟ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس خالق نے ہمیں ایسے

شواہد ضرور فراہم کیے ہوں گے جو ہمیں اس تک رہنمائی دے سکیں۔ یہ شواہد ہمیں سائنس جذباتی اور عقلی اعتبار سے ثابت کر کے دکھائیں گے کہ وہ مبنی برحق ہیں۔ قرآن مجید جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا اس میں شواہد موجود ہیں۔ پس جب کوئی انسان پوری عقل اور ہوش وحواس کے ساتھ تجزیہ کرتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ ہر چیز کا علم رکھنے والی اور سب سے طاقتور ایک ذات اللہ تبارک وتعالیٰ موجود ہے اور پھر وہ مسلمان ہوجاتا ہے۔"

ایک اور اہم سوال سنجیدہ غور وفکر کا متقاضی ہے وہ یہ کہ انسان اس کائنات میں کیوں آیا؟" ایک مسلمان جب اس بات کا اقرار کرلیتا ہے کہ اسے ایک سچے اور واحد رب نے پیدا کیا ہے تو اب اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ مجھے کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا؟ قرآن ہمیں اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ اس دنیا میں ہماری تخلیق کا مقصد ہے اللہ کی عبادت کرنا، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ہمارے لیے امتحان گاہ بنادیا ہے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ ہم آخرت میں ابدی انعام، یعنی جنت کے حقدار ہوتے ہیں یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ ایک صحت مند اور منطقی دماغ اس نتیجے تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ یہ بہت آسان ہے۔ ہم اپنے گرد وپیش میں رونما ہونے والے واقعات اور حادثات کو دیکھ سکتے ہیں ان کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زندگی میں پیش آنے والا ہر واقعہ دوسرے واقعات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ماضی میں پیش آنے والے حادثات ہمیں مستقبل کے بحرانوں سے بچنے میں مدد دیتے ہیں۔ ہماری زندگی ایک امتحانی شیڈول کی طرح ہے جس میں ہر چیز باہم جڑی ہوئی ہے اور یہ باہمی تعلقات ہمیں اگلی سطح کے امتحان کے لیے قوت دیتے ہیں اور تیار بھی کرتے ہیں۔ یہ امر واضح رہے کہ ہمیں آہستہ آہستہ مشکلات سے گزار کر کندن بنایا جاتا ہے کہ ہم اخروی امتحانات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ میں قوت پیدا کرسکیں۔ تدبر اور تجسس کا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس ضمن میں ایک سوال یہ بھی سوچنے سمجھنے والے ذہنوں میں یہ یقیناً ابھرتا ہے کہ انسان سے اللہ نے کیا توقعات وابستہ کی ہیں؟ ایک مسلمان کو جب مندرجہ بالا حقائق کا علم ہوجاتا ہے تو اب اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہوجاتا ہے کہ آخر اس عبادت کے ذریعے سے اس سے کس چیز کا تقاضا کیا جارہا ہے۔ چنانچہ یہ بات جاننے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ذرائع کی طرف رجوع کرتا ہے کیوں کہ مہربان خالق اپنی مخلوق کو رہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رہنمائی پیغمبروں کی شکل میں آئی جو کہ مختلف ادوار میں بنی نوع انسان کی طرف بھیجے جاتے رہے ہیں۔ یہ تمام پیغمبروں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی پیغام لے کر آئے کہ ایک خدا کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

☆☆☆

حضرت ابراہیم بن المہلب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک غلام کو جنگل بیابان میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، میں انتظار میں بیٹھ گیا کہ نماز ختم کرے تو اس جنگل میں نماز پڑھنے کا سبب دریافت کروں۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو میں نے پوچھا کہ یہاں تمہارا کوئی مونس بھی ہے، اس نے جواب دیا کہ ہاں، میں نے پھر سوال کیا تمہارے پاس کچھ زاد سفر بھی ہے، اس نے کہا ہاں، میرا دل نہ مانا میں نے کہا، کہاں ہے، اس نے جواب دیا۔ میرا زاد سفر اللہ کے ساتھ اخلاص اور وحدانیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرار ہے۔ میں نے پھر سوال کیا کہ اس ویرانہ میں تمہاری طبیعت نہیں گھبراتی۔ اس نے بڑا ہی عارفانہ جواب دیا کہ اللہ کے ساتھ انس ومحبت نے تمام وحشتوں کو دور کردیا ہے۔ اگر میں درندوں کے درمیان بھی رہوں تو مجھ کو کوئی خطرہ وپریشانی نہیں ہوتی۔ ابراہیم بن مہلب فرماتے ہیں کہ اس غلام کے جوابات نے مجھ کو حیرت زدہ کردیا۔

انیس فاطمہ

پھل، سبزیاں اور ہماری صحت!

متعدد سائنسی جائزوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو لوگ زیادہ پھل اور سبزیاں استعمال کرتے ہیں ان میں امراض قلب اور بعض اقسام کے سرطان کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحت سے متعلق ماہرین سفارش کرتے ہیں کہ دن بھر میں پھلوں اور سبزیوں کے کم از کم پانچ پورشنز استعمال کئے جائیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پھل یا سبزیاں تازہ ہیں، ٹن میں محفوظ ہیں، منجمد ہیں۔ پکی ہوئی ہیں۔ جوس کی شکل میں ہیں یا خشک حالت میں ہیں۔

وٹامنز (حیاتین)

اگر آپ مختلف اقسام کے پھل اور سبزیاں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے جسم کو جن وٹامنز اور منرلز (معدنیات) کی ضرورت ہے وہ انہیں مل رہی ہیں۔ وٹامنز نامیاتی اشیاء ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پودوں اور جانوروں میں پائی جاتی ہیں۔ بہت سے وٹامنز ہمارا جسم نہیں بنا سکتے اس لئے انہیں غذا کے ذریعے حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وٹامن ڈی اور وٹامن بی کی ایک قسم نیاسن، اس سے مستثنیٰ غذائی ماہرین نے وٹامنز کو دو گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک چکنائی میں حل پذیر اور دوسری پانی میں حل ہونے والی۔ چکنائی میں حل ہونے والے وٹامنز میں اے، ڈی ای اور کے شامل ہیں۔ جسم کے مختلف حصوں تک چربی ان وٹامنز کو پہنچاتی ہے۔ یہ وٹامنز چربی اور جگر کے خلیات میں محدود عرصے کے لئے محفوظ بھی کئے جا سکتے ہیں پانی میں حل پذیر وٹامنز ڈی اور سی ہین اور یہ ہمارے جسم میں پانی کے ذریعے پہنچتے اور جذب ہوتے ہیں۔ ان دونوں اقسام کے وٹامنز کی ہمارے جسم کو روزانہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ کسی بھی عرصے کے لئے اسے جسم میں محفوظ نہیں کیا جا سکتا۔

وٹامن 'اے'

یہ وٹامن ہماری آنکھوں، ناک کی اندرونی سطح حلق، پھیپھڑوں اور جلدی خلیات کی نشو و نما کرتا ہے۔ وٹامن اے گاجر، شکر قند، کدو سرخ مرچ، ٹماٹر نارنجی پھلوں مثلاً خوبانی اور آم اور گہرے سبز رنگ کی سبزیوں میں پایا جاتا ہے۔ غذائی ماہرین خواتین کو روزانہ 600 مائکرو گرام مردوں کو 700 مائکرو گرام وٹامن اے لینے کی سفارش کرتے ہیں۔

وٹامن ڈی

یہ وٹامن کیلشیم کے انجذاب میں ہماری مدد کرتا ہے اور کیلشیم ہڈیوں اور دانتوں کی مضبوطی کے لئے ناگزیر ضرورت ہے۔ وٹامن ڈی کے حصول کا اہم ترین ذریعہ سورج کی کرنیں ہیں۔ لیکن یہ بہت محدود مقدار میں ڈیری مصنوعات مچھلی کے تیل اور ان مچھلیوں میں بھی پایا جاتا ہے جن میں چکنائی زیادہ ہوتی ہے۔ وٹامن ڈی کی روزانہ مقررہ مقدار کی سفارش ممکن نہیں کیونکہ اس کے حصول کا اہم ذریعہ سورج کی روشنی ہے۔

وٹامن 'ای'

یہ وٹامن ہمارے جسم کے خلیات کو نقصان پہنچانے والے غیر متوازن سالموں کا مقابلہ کرتا ہے جنہیں فری ریڈیکلو کہتے ہیں۔ اس وٹامن سے ہماری جلد بھی صحت مند رہتی ہے۔ وٹامن ای ہمیں سبزیوں، پولٹری، مچھلی، ولیہ، نباتاتی تیل، خشک گری دار میوؤں اور بیجوں سے حاصل ہوتا ہے۔ بالغ مردوں کو روزانہ چار ملی گرام اور بالغ خواتین کو تین ملی گرام استعمال کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

وٹامن 'کے'

یہ وٹامن ہمارے جسم کو مختلف پروٹینز پیدا کرنے میں ہماری مدد دیتا ہے۔ جن میں سے ایک پروٹین وہ بھی ہے جس سے خون کے جمنے میں مدد ملتی ہے۔ وٹامن حاصل کرنے کے

لئے ہمیں گہرے سبز رنگ کی سبزیاں مثلاً پالک، بند گوبھی، بروکولی، ایسپارگس وغیرہ استعمال کرنے چاہئیں۔ سویا بین کے تیل اور مارجرین میں بھی یہ وٹامن موجود ہوتی ہے۔ مردوں اور خواتین دونوں کو اپنے جسم کے وزن کے ہر کل گرام کے بدلے ایک مائکرو گرام وزن کی مقدار یہ وٹامن روزانہ استعمال کرنا چاہئے

وٹامن 'بی کمپلکس'

وٹامن بی کے خاندان کے آٹھ ارکان ہیں جن میں B1 (تھیامین) B2 (ریبو فلیون) B3 (نیاسن) B5 (پینٹوتھینک ایسڈ) B6 (پائیری ڈکسن) B9 (فولیٹ) B12 (کوبالامن) اور Biotin شامل ہیں۔ وٹامن بی کمپلیکس غذا کو ہمارے جسم کا حصہ بنانے میں مدد دیتا ہے اور انہی وٹامنز سے ہمارے جسم میں خون کے خلیات تشکیل پاتے ہیں اور رگوں میں خون رواں دواں رہتا ہے۔ مختلف اقسام کے وٹامن بھی سبزیوں، سالم اناج، گوشت، سبزی کے عروق، گری دار میوؤں اور دلیوں میں موجود ہوتے ہیں۔

وٹامن 'سی' یہ وٹامن جسم میں کولاجن (Collagen) بنانے میں معاونت کرتا ہے، پٹھوں اور نسوں میں پایا جانے والا یہ پروٹین جلد اور ہڈیوں کے لئے تو اہم ہوتا ہی ہے اس کے علاوہ جسم میں فولاد کو جذب کرنے کے لئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کی سبزیاں اور پھل وٹامن سی کے حصول کا اہم ذریعہ ہوتی ہیں جن میں ترنجی پھل مثلاً چکوترا، لیموں کے علاوہ اسٹرابیری، پالک بروکولی ٹماٹر اور آلو وغیرہ شامل ہیں۔ بالغ مردوں اور خواتین دونوں کو یومیہ 40 ملی گرام وٹامن سی کی ضرورت ہوتی ہے۔

منرلز (معدنیات)

پھلوں اور سبزیوں سے صرف قوت بخش وٹامنز ہی حاصل نہیں کئے جاتے بلکہ ان میں موجود معدنیات بھی ہماری صحت کو بہتر رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ معدنیات غیر نامیاتی اشیاء ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پتھر اور مٹی میں پائی جاتی ہیں۔ زمین سے جب سبزیاں اگتی ہیں تو یہ اپنے اندر معدنیات کی خوبیاں بھی جذب کرتی ہیں جب کہ جانور اپنے چاروں کے ذریعے معدنیات ہضم کرتے ہیں۔ وٹامنز کی طرح معدنیات کو بھی دو گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا گروپ وہ ہے جس کی قلیل مقدار کی ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے گروپ میں وہ معدنیات ہیں جن کی بڑی مقدار صحت کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ بڑی مقدار والی ضروری معدنیات میں کیلشیم، میگنیشیم، سوڈیم، پوٹاشیم، اور فاسفورس شامل ہیں جب کہ محدود یومیہ 300 ملی گرام میگنیشیم کی سفارش کی جاتی ہے۔

سوڈیم

ہمارے جسم میں پانی کی مقدار کو سوڈیم متوازن رکھتا ہے اور اسی کی مدد سے ہمارے اعصاب مؤثر طور پر کام کرتے ہیں۔ ٹیبل سالٹ کے طور پر یہ ہمارے کھانوں کو خوش ذائقہ بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مردوں اور خواتین کو یومیہ 1600 ملی گرام سوڈیم استعمال کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

پوٹاشیم

جسم کے خلیات اور رطوبت کو مناسب انداز میں کام کرنے میں پوٹاشیم مدد دیتا ہے۔ چکنائی، تیل اور شکر کے سوا بیشتر غذاؤں میں پوٹاشیم پایا جاتا ہے۔ مردوں اور خواتین کے لئے یومیہ 3500 ملی گرام پوٹاشیم ضروری سمجھا جاتا ہے۔

آئرن

آئرن خون کے سرخ خلیات کی تشکیل میں معاونت کرتا ہے اور اس کی کمی سے عموماً خواتین میں قلت الدم (انیمیا) کی شکایت ہوتی ہے۔ سرخ گوشت قوت بخش دلیہ، روٹی اور کچھ پھلوں اور سبزیوں میں آئرن مناسب مقدار میں ہوتا ہے۔

مردوں کے لئے یومیہ 7-8 ملی گرام اور عورتوں کے لئے 8-14 ملی گرام آئرن کی ضرورت ہوتی ہے۔

جست (Zinc)

جست (Zinc یا جست) جسم کو بلاغت تک پہنچانے میں معاونت کرتا ہے اور جن عضلات کو نقصان پہنچے، یہ ان کی مرمت بھی کرتا ہے۔ گوشت، مچھلی دودھ، پنیر اور انڈوں میں جست کی مقدار نمایاں ہوتی ہے۔

☆☆☆

حکیم محمد ادریس لدھیانوی

گرمی توڑ غذائیں

موسم گرما...... انسانی صحت اور دنیا کے نظام کو بحال رکھنے اور پروان چڑھانے کے لیے نعمت خداوندی ہے۔ گرمیوں کے موسم کے جہاں بہت سے فوائد ہیں وہاں جھلسا دینے والی گرمی سے چرند پرند اور انسان عاجز آجاتے ہیں۔ انسان گرمی سے بچنے کے لیے بہت سی تدبیریں اختیار کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ٹھنڈے بازاری مصنوعی مشروبات پی کر پیاس کم کرتا ہے۔

اس طرح وہ گرمی سے بچاؤ کی خاطر بے اعتدالی کا راستہ چن لیتا ہے جس سے وہ معدے کے متعدد عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر گرمی سے پیدا ہونے والے خطرات سے سمجھ داری سے مقابلہ کیا جائے اور ایسی سستی فطری اور آسان غذاؤں کو استعمال کیا جائے جو ہماری زندگی میں عام میسر ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان ان کی بدولت گرمی کا مناسب اور بہتر توڑ کر سکے۔ گرمی لگنے سے دردسر، سر کا چکرانا اور تھکاوٹ کے بعد بے ہوشی ہو سکتی ہے۔ نبض کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ ان علامات میں مریض کے جسم کو ٹھنڈا رکھنا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں نیم ٹھنڈا پانی استعمال کرنا چاہیے زیادہ ٹھنڈا پانی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

گرمیوں کے موسم میں شربت صندل بہترین مشروب ہے۔ اس کے ساتھ ایسی چیزیں جو جسم میں پانی کو قائم رکھنے میں معاون ثابت ہوں، مثلاً گوند کتیرا ست ملیٹھی بھی جس میں پانی کی مطلوبہ سطح قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ کچے آم کا رس مفید مشروب ہے۔ یہ لو کے اثرات کو ختم کرتا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں۔

(1) گرمیوں کے موسم میں پانی کا استعمال زیادہ کیجیے اور کم از کم 13 گلاس روزانہ استعمال کیجیے۔

(2) چائے، کوفی کولا اور دوسرے پیشاب آور مشروبات کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔

سر کو ڈھانپ کر باہر نکلنا چاہیے اور کپڑے یا ٹوپی کا رنگ سفید ہونا چاہیے۔

(4) باہر نکلنے سے پہلے پانی ضرور پی کر جائیے۔

(5) گھر میں داخل ہوتے ہی پانی ضرور استعمال کیجیے، مگر بہت زیادہ یا فریج کا ٹھنڈا نہ ہو۔

(6) کچی لسی اور پکی لسی گرمیوں کے بہترین مشروب ہیں۔ ان کا استعمال آپ کو لو لگنے سے بچا سکتا ہے۔

(7) گرمیوں میں گہرے رنگوں کے کپڑے استعمال نہ کیجیے، کیونکہ یہ حرارت کو بہت زیادہ جذب کرتے ہیں۔ سفید اور ہلکے رنگ کے کپڑے استعمال کرنے چاہئیں۔

(8) گرمیوں میں چمڑے کے تلے والے جوتے استعمال کیجیے کیوں کہ ان سے حرارت پاؤں تک کم پہنچتی ہے۔

(9) گرمیوں میں اپنے مہمانوں کی خاطر اپنے روایتی مشروبات سے کیجیے۔

(10) شربت صندل، شربت بزوری کا استعمال رکھیے۔

(11) گوند کتیرا، اسپغول کا چھلکا، ستو بالنگو ملا شربت دن میں ایک بار ضرور استعمال کیجیے۔

(12) اگر آپ کا منہ خشک رہتا ہو اور پانی پینے کے فوراً بعد پیشاب کی حاجت ہو جاتی ہو تو اس صورت میں گندم کے دانے کے برابر ست ملیٹھی دن میں تین چار دفعہ ضرور چوس لیجیے۔ یہ انسانی جسم میں پانی کو باہر نکلنے میں قدرے رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

(13) تربوز گرمی کا بہترین توڑ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کالی مرچ اور نمک کے سفوف کا استعمال ضرور کیجیے۔ بلڈ

پریشر کے لوگ صرف کالی مرچ کا سفوف استعمال میں لائیں۔

گرمیوں کے موسم میں انسانی جسم میں مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ برے اثرات ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے جوس اور جڑی بوٹیاں پیدا کی ہیں جو انسان کو موسمی اثرات سے دور رکھتی ہیں۔ پاکستان کے موسم کو مدنظر رکھتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ صدیوں سے بہت سے مشروب بنائے گئے اور ان کا عام استعمال ہوا۔ ان قدیم مشروبات کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

1- لسی (پکی اور کچی)
2- گنے کا رس
3- صندل کا شربت
4- لال مشروبات
5- بزوری کا شربت
6- ستو کا شربت

گرمیوں کی حدت کی وجہ سے انسانی جسم میں پانی اور نمکیات کی کمی واقع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے جسم کے اندر اور باہر جسم کو ٹھنڈک کا احساس دینے والے مشروبات کا بھی استعمال ضروری ہے۔

البتہ دور جدید کے مشروبات مثلاً کولا مشروبات، کاربونیٹ مشروبات، جوس پر مبنی مشروبات گریز کیجیے۔

آسان غذائی تدابیر

قلفہ: یہ فرحت بخش سرد مزاج موسمی بوٹی رطوبتوں میں اضافہ کر کے پیشاب کی مقدار بڑھاتا ہے۔ گرمیوں میں درد کے ساتھ پیشاب آئے یا زیادہ پسینہ آنے کی وجہ سے پیشاب کی مقدار کم ہو جائے تو مریض کو قلفہ کے بیج کا جوشاندہ پلایا جا سکتا ہے۔ ایک چائے کا چمچ بیج کا روغن کچے ناریل کے ایک گلاس پانی میں ڈال کر تین بار پلانے پیشاب کی تکلیف، مثانے کی سوزش اور جلن دور ہو جاتی ہیں موسم گرما میں جسم کو حدت سے بچانے اور بدن کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے قلفہ کے تنے کا رس استعمال کرنے سے گرمی کے دانوں دانوں اور ہاتھ پاؤں میں جلن کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔ اس کے پتوں کا لیپ کیا جائے تو بھی بدن کو ٹھنڈک مہیا ہوتی ہے۔

مہندی: مہندی کے پتوں میں اگر رنگ چڑھانے والے ایسڈز پائے جاتے ہیں تو اس کے پتے اور بیج بھی ایسے طبی اثرات رکھتے ہیں کہ جس سے جلد کے امراض سے تحفظ اور گرمی کے حدت سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ موسم گرما میں گرمی دانے بہت تنگ کرتے ہیں۔ مہندی کے پتوں کو پانی میں پیس کر متاثرہ حصوں پر لگایا جائے تو گرمی دانے ختم ہو جاتے ہیں۔ گرمی میں پاؤں جلتے ہیں لہٰذا ایسے افراد کو چاہیے کہ پاؤں کے تلوؤں پر مہندی گھول کر لگائی جائے۔ گرمی سے سردرد ہونے لگے تو مہندی کے پھولوں اور سرکہ سے بنے پلاسٹر کو پیشانی پر لگایا جائے تو دردسر ختم ہو جاتا ہے اور بدن سے حدت خارج ہو جاتی ہے۔

صندل

صندل سفید، خوشبودار بوٹی ہوتی ہے۔ یہ دل کے لیے فرحت بخش ٹانک ہے تو گرمیوں میں اس کا شربت گرمی سے پیدا ہونے والے عوارض سے بچاتا ہے۔ گرمیوں میں پیدا ہونے والے گرمی کے دانوں کے لیے صندل کی لکڑی کا لیپ بہت زیادہ مفید ہے حدت سے جھلسی جلد پر یہ آزمودہ نسخہ لگایا جائے تو بہنے والا پسینہ رک جاتا ہے۔ اور ٹھنڈک کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ صندل کا تیل گرم مزاج افراد کے دل اور معدے کو تقویت دیتا اور گرم ورموں کو تحلیل کرتا ہے۔

چھوٹی الائچی

سبز الائچی کو پانی میں پیس کر اس کا شربت جب ضرورت میٹھا ملا کر ٹھنڈا کر کے دن میں دو بار پی لیا جائے تو بدن کی حدت کم ہوتی ہے اور پیشاب کھل کر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر الائچی کے بیجوں کو پیس کر کھانے کا ایک چمچ کیلے کے پتوں اور آملے کا رس ملا کر دن میں تین بار پلایا جائے تو پیشاب کے جملہ امراض، سوزش مثانہ، سوزش گردہ سے افاقہ ہوتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں الائچی کا خالص مشروب فرحت قلب کا باعث بنتا اور پسینے سے پیدا ہونے والی ناگوار بو کو دور کرتا ہے۔